انصارالدین

جلد۱۵ نمبر۶ نبوت/فتح ۱۳۹۷ ہجری شمسی نومبر ـ دسمبر ۲۰۱۸ء



CHARITY WALK FOR PEACE
Cheque Presentation 2018

















CHARITY WALK FOR PEACE
Cheque Presentation 2018

















﴾بسم الله الرحمٰن الرحیم   نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریمؐ   وعلیٰ عبدہ المسیح الموعودؑ﴿

انصار الدین

جلد 15 نمبر 6   مجلس انصاراللہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی مجلّہ   نومبر و دسمبر 2018ء

انصاراللہ کا عہد

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظام خلافت کی حفاظت کے لئے انشاءاللہ تعالیٰ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔ (انشاءاللہ تعالیٰ)

فہرست مضامین

تمام انصار اپنا جائزہ لیں کہ کیا آپ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے تحت جماعت احمدیہ کی ترقیات اور احمدیوں کی حفاظت کے لئے روزانہ دو نفل ادا کر رہے ہیں اور ہفتہ وار نفلی روزہ کا اہتمام کر رہے ہیں؟

صدر مجلس: ڈاکٹر چوہدری اعجاز الرحمٰن

قائد اشاعت: ضیاء الرحمٰن

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر شمیم احمد

مدیر: محمود احمد ملک

نائبین: صفدر حسین عباسی، حبیب الرّحمٰن غوری۔

مینیجر: نعیم گلزار

ڈیزائننگ: عامر ملک

ترسیل: عرفان اللّٰہ چیمہ (انچارج)
عبدالرشید قاضی۔ ارشاد بھٹی
عمران شاھد۔ شکیل احمد
عمران گل۔ رشید شاھد۔ مقبول احمد
ناصر ملک۔ حاشر ملک

"Ansaruddin" 181 London Road, Morden, Surrey SM4 5PT   e-mail address: ansaruddin@ansar.org.uk

درس القرآن

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَاَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ۔ (النحل:126)

اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت کے ساتھ اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دے اور ان سے ایسی دلیل کے ساتھ بحث کر جو بہترین ہو۔ یقیناً تیرا رب ہی اسے جو اس کے راستے سے بھٹک چکا ہو سب سے زیادہ جانتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کا بھی سب سے زیادہ علم رکھتا ہے۔

......آج رُوئے زمین پر جماعت احمدیہ ہی وہ حقیقی جماعت ہے جو دنیا کو خدا تعالیٰ کی طرف بلانے کا حقیقی کردار ادا کر رہی ہے یا کرسکتی ہے اور ہمیں اس جماعت میں شامل کر کے اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ اور اس احسان کا شکر ادا کرنے کے لئے ہم میں سے ہر ایک کو اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی طرف توجہ دینی چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے۔ اور دعوت الی اللہ کے فریضے کو ادا کرنے کی طرف پہلے سے بڑھ کر آگے آنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کے باریک در باریک نکات کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام تر دلائل کے ساتھ کھول کر بیان فرمایا اور ایک ایسا خزانہ ہمیں عطا فرمایا ہے جو نہ ختم ہونے والا ہے۔ پس آنحضرت ﷺ کی حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہ جو چیز تم اپنے لئے پسند کرتے ہو اپنے بھائی کے لئے بھی کرو، ہمارا فرض ہے کہ یہ خزانہ جو قرآن کریم کی تعلیم کے علم و معرفت سے بھرا ہوا ہے مسلمانوں تک بھی پہنچائیں اور غیر مسلموں تک بھی پہنچائیں اور شیطان کے چنگل سے نکال کر انہیں خدا تعالیٰ کا حقیقی عبد بنائیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے دنیا کے ہر ملک میں بھی یہ رَو چلی ہے کہ لوگ احمدیت کے قریب ہو رہے ہیں۔ اور اس میں مسلمان اور غیر مسلم سب شامل ہیں۔ لیکن اس کے لئے ہمیں بھی اپنی حالتوں کو عملی نمونہ بنانے کے ساتھ ان کے دلوں کو پھیرنے کے لئے دعا کا حق ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

آنحضرت ﷺ کو اپنی اُمّت کے افراد کے ذریعہ کسی کی ہدایت پانے پر کس قدر خوشی ہوتی تھی، اس بات کا اندازہ اس سے لگائیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ خدا کی قسم! تیرے ذریعہ سے ایک آدمی کا ہدایت پا جانا تیرے لئے اعلیٰ درجے کے سرخ اونٹوں کے ملنے سے مل جانے سے زیادہ بہتر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے دلی جذبات کا نقشہ کس طرح کھینچا ہے، فرماتے ہیں کہ '' ہمارے اختیار میں ہو تو ہم گھر بہ گھر پھر کر خدا تعالیٰ کے سچے دین کی اشاعت کریں اور ہلاک کرنے والے شرک اور کفر سے جو دنیا میں پھیلا ہوا ہے لوگوں کو بچالیں۔ اگر خدا تعالیٰ ہمیں انگریزی زبان سکھا دے تو ہم خود پھر کر اور دورہ کر کے تبلیغ کریں اور اس تبلیغ میں زندگی ختم کر دیں خواہ مارے ہی جائیں''۔

پس اس درد کو سمجھنے کی ہمیں ضرورت ہے۔

(جلسہ سالانہ جرمنی 2015ء کے اختتامی خطاب سے ماخوذ)

حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً یہ دل بھی صیقل کئے جاتے ہیں جس طرح لوہے کے زنگ آلود ہونے پر اسے صیقل کیا جاتا ہے۔ کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول! اس کی (یعنی دل کی) صفائی کیسے کی جائے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت کو کثرت سے یاد کرنے سے۔ اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے سے۔

(الجامع لشعب الایمان للبیھقی جلد نمبر 3باب التاسع عشر (فی تعظیم القرآن)فصل فی ادمان تلاوۃ القرآن۔ مکتبۃ الرشد۔ ریاض۔ طبع ثانی 2004ء)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں بہت سی نعمتیں اور فتوحات دے گا۔ تم میں سے جس کو یہ سب نصیب ہو وہ خدا کا تقویٰ اختیار کرے۔ نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔

(جامع ترمذی کتاب الفتن باب النھی عن سب الریاح حدیث نمبر :2183)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی گم ہوگئی۔ ایک اعرابی کو (جب وہ اونٹنی) ملی تو اس نے رسول اللہؐ کو تحفہ کے طور پر پیش کردی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اسے یہ بتائے بغیر کہ یہ میری ہی اونٹنی ہے اُس کو سات اونٹنیاں تحفہ کے طور پر دیں۔

(مسند احمد جلد 2صفحہ 292حدیث نمبر :7905)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس میں یہ تین باتیں ہوں اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت کا سایہ عطا فرمائے گا اور اسے جنت میں داخل کرے گا: وہ کمزوروں پر رحم کرے، ماں باپ سے محبت کرے اور خادموں اور نوکروں سے حسنِ سلوک کرے۔

(جامع ترمذی ابواب صفۃ القیامہ حدیث نمبر 2418)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن کریم کا ایک حرف بھی پڑھا اس کو ایک نیکی کا اجر ملے گا اور اس ایک نیکی کا بدلہ دس نیکیاں ہیں۔ مَیں نہیں سمجھتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے۔ بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک الگ حرف ہے اور میم ایک الگ حرف ہے۔

(ترمذی، کتاب فضائل القرآن باب ما جاء فیمن قرء حرفا من القرآن حدیث نمبر 2835)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تین آدمیوں کا قیامت کے دن دشمن ہوں گا۔ وہ شخص جس نے اللہ کے نام پر کوئی عہد کیا اور پھر اس کو توڑ دیا۔ اور وہ شخص جس نے کسی آزاد کو غلام بنا لیا اور اس کو بیچ کر قیمت لے لی۔ اور وہ شخص جس نے کسی مزدور سے خوب خدمت لی اور اس کا حق نہ دیا۔

(صحیح بخاری کتاب البیوع باب اثم من باع حرًا حدیث نمبر 2075)

کلام الامام علیہ السلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تبلیغ کے حوالہ سے یہ نسخہ بیان فرمایا کہ

''اس کام کے واسطے وہ آدمی موزوں ہوں گے جو کہ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ وَیَصْبِرْ (یوسف:91) کے مصداق ہوں۔ ان میں تقویٰ کی خوبی بھی ہو اور صبر بھی ہو۔ پاکدامن ہوں۔ فسق و فجور سے بچنے والے ہوں۔ معاصی سے دُور رہنے والے ہوں۔ لیکن ساتھ ہی مشکلات پر صبر کرنے والے ہوں۔ لوگوں کی دشنام دہی پر جوش میں نہ آئیں''۔ ''دشمن جب گفتگو میں مقابلہ کرتا ہے تو چاہتا ہے کہ اسے جوش دلانے والے کلمات بولے جن سے فریق مخالف صبر سے باہر ہو کر اس کے ساتھ آمادہ بجنگ ہو جائے''۔ (ملفوظات جلد 9 صفحہ 427۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک جگہ دعا کے حوالہ سے فرمایا ہے کہ:

''اگر استجابت دُعا کے یہی معنے ہوں کہ وہ سوال بہرحال پورا کر دیا جائے تو دو مشکلیں پیش آتی ہیں۔ اوّل یہ کہ ہزاروں دعائیں نہایت عاجزی اور اضطراری سے کی جاتی ہیں مگر سوال پورا نہیں ہوتا جس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ دُعا قبول نہیں ہوئی حالانکہ خدا نے استجابت دعا کا وعدہ کیا ہے۔ دوسری یہ کہ جو امور ہونے والے ہیں وہ مقدّر ہیں اور جو نہیں ہونے والے وہ بھی مقدّر ہیں۔ ان مقدّرات کے برخلاف ہرگز نہیں ہو سکتا۔ پس اگر استجابت دعا کے معنے سوال کا پورا کرنا قرار دیئے جائیں تو خدا کا یہ وعدہ کہ ادعونی استجب لکم ان سوالوں پر جن کا ہونا مقدّر نہیں ہے صادق نہیں آ سکتا۔ یعنی ان معنوں کی رو سے یہ عام وعدہ استجابت دعا کا باطل ٹھہرے گا کیونکہ سوالوں کا وہی حصہ پورا کیا جاتا ہے جس کا پورا کیا جانا مقدّر ہے۔ لیکن استجابت دعا کا وعدہ عام ہے۔ جس میں کوئی بھی استثناء نہیں۔ پھر جس حالت میں بعض آیتیں ظاہر کر رہی ہیں کہ جن چیزوں کا دیا جانا مقدّر نہیں وہ ہرگز دی نہیں جائیں اور بعض آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی دُعا ردّ نہیں ہوتی اور سب کی سب قبول کی جاتی ہیں اور نہ صرف اسی قدر بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمام دعاؤں کے قبول کرنے کا وعدہ کر لیا ہے جیسا کہ آیت ادعونی استجب لکم سے ظاہر ہے۔ پھر اس تناقض اور تعارض آیات سے بجز اس کے کیونکر مخلصی حاصل ہو کہ استجابت دُعا سے عبادت کا قبول کرنا مراد لیا جائے یعنی یہ معنے کئے جائیں کہ دعا ایک عبادت ہے اور جب وہ دل سے اور خشوع سے اور خضوع سے کی جائے تو اس کے قبول کرنے کا خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ پس استجابت دُعا کی حقیقت بجز اس کے اَور کچھ نہیں کہ وہ دُعا ایک عبادت متصوّر ہو کر اُس پر ثواب مترتب ہوتا ہے۔ ہاں اگر مقدّر میں ایک چیز کا ملنا ہے اور اتفاقاً اس کے لئے دعا بھی کی گئی تو وہ چیز مل جاتی ہے مگر نہ دعا سے بلکہ اس کا ملنا مقدّر تھا۔ اور دعا میں بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب دعا کرنے کے وقت خدا کی عظمت اور بے انتہا قدرت کا خیال اپنے دل میں جمایا جاتا ہے تو وہ خیال حرکت میں آ کر ان تمام خیالات پر جن سے اضطرار پیدا ہوا ہے، غالب ہو جاتا ہے اور انسان کو صبر اور استقلال پیدا ہو جاتا ہے اور ایسی کیفیت کا دل میں پیدا ہو جانا لازمۂ عبادت ہے اور یہی دعا کا مستجاب ہونا ہے۔'' (برکات الدعا)

فرمودات

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس

ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''آجکل کی ترقی یافتہ دنیا میں بھی یہ ہڑتالوں کا جو حق دیا گیا ہے وہ بھی بغیر سوچے سمجھے ہے۔ یہ نہیں دیکھتے کہ اس کی حدود کیا ہونی چاہئیں۔ مثلاً آجکل اس ملک میں، یوکے (UK) میں جونیئر ڈاکٹروں کی ہڑتال ہے جس سے مریض پریشان ہو رہے ہیں۔ اپنا حق لینے کے لئے مریضوں کو نہ صرف علاج کی سہولت کے حق سے محروم کیا جا رہا ہے بلکہ بعض دفعہ ان کی زندگیوں سے بھی کھیلا جا رہا ہے۔ ...... اس دفعہ جاپان کے دورے میں ایک عیسائی پادری جو بڑے شریف النفس انسان ہیں، مجھ سے انہوں نے سوال کیا کہ امن کی کیا تعریف ہے، کس طرح قائم کیا جائے۔ کہنے لگے کہ مجھے ابھی تک تسلی بخش جواب کہیں سے نہیں ملا کہ امن کی کیا تعریف ہے۔ تو مَیں نے انہیں یہ بتایا جو مَیں پہلے بتا چکا ہوں کہ اسلام کہتا ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرو وہ دوسرے کے لئے پسند کرو۔ جب ایسا کرو گے تو ایک دوسرے کے حق قائم کر رہے ہو گے اور جب حق قائم کرو گے تو امن ہو گا۔ ایک دوسرے کے لئے پھر تم لوگ سلامتی بھی بھیج رہے ہو گے۔ کہنے لگا یہ تعریف میرے دل کو بڑی لگی ہے۔ یہ پہلی دفعہ سنی ہے۔

پس آج اسلام ہی ہر معاملے کے حقیقی راستے دکھا سکتا ہے لیکن اس کے عملی نمونے دکھائے بغیر ہم دنیا کو قائل نہیں کر سکتے۔ ناجائز حق لینے کا تو سوال ہی نہیں اگر ہم جائز حق بھی چھوڑنے کے لئے تیار ہو جائیں اس لئے کہ امن قائم کرنا ہے تو امن قائم ہو گا۔ ہم جائز حق بھی چھوڑ دیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور جب یہ ہو گا تو کیونکہ ایک معاشرے میں دونوں طرف سے حقوق ادا کرنے کی کوشش ہو رہی ہو گی تو دوسرا فریق بھی اگر مومن ہے تو وہ بھی ناجائز حق نہیں لے گا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی دوسرے کا ناجائز حق لے۔ لیکن افسوس ہے کہ بعض دفعہ قضاء میں ایسے معاملات آتے ہیں کہ ہماری جماعت میں بھی بھائی بھائی کا حق دبا رہا ہوتا ہے یا دوسرے عزیزوں کے حق دبا رہے ہوتے ہیں۔ اگر ہم اس طرف توجہ کریں تو ہمارے قضاء کے بھی بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

لڑائی جھگڑے ختم کرنے کے لئے اسلام کیا سوچ ہمیں دیتا ہے اور صحابہ کے کیا نمونے ہمارے سامنے ہیں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک دفعہ امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے درمیان کسی بات پر تکرار ہو گئی۔ بھائیوں بھائیوں میں بعض دفعہ ناراضگی کی کوئی بات ہو جاتی ہے، بحث ہو جاتی ہے۔ حضرت امام حسنؓ کی طبیعت بہت سلجھی ہوئی اور نرم تھی لیکن حضرت امام حسینؓ کی طبیعت میں جوش پایا جاتا تھا۔ ان میں جو جھگڑا ہوا اس میں حضرت امام حسینؓ کی طرف سے زیادہ سختی کی گئی لیکن حضرت امام حسنؓ نے صبر سے کام لیا۔ اس جھگڑے کے وقت بعض اَور صحابہ بھی موجود تھے۔

باقی صفحہ 10 پر ملاحظہ فرمائیں

لندن میں تاریخ احمدیت کی چند جھلکیاں

(بشیر احمد خان رفیق)

برائٹن میں باقاعدہ تبلیغ کا آغاز

1960ء میں PIA نے اپنا پہلا بوئنگ طیارہ خریدا تو اپنی افتتاحی فلائٹ میں لندن کے چند معززین کو مفت پاکستان جانے کی دعوت دی۔ خاکسار کو بھی انہوں نے دعوت دی۔ چنانچہ خاکسار مرکز کی اجازت سے اپریل 1960ء میں پاکستان گیا اور تقریباً ایک ماہ وہاں رہا۔ اس دوران حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے بھی دو تین مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ حضورؓ ان دنوں بیمار تھے۔ دوران ملاقات حضورؓ نے فرمایا کہ برائٹن میں تبلیغ کی طرف خاص توجہ دی جائے اور فرمایا کہ 1924ء میں جب حضورؓ نے انگلستان کا دورہ فرمایا تو برائٹن کونسل کی دعوت پر وہاں تشریف لے گئے تھے اور وہاں وہ کمرہ بھی ملاحظہ فرمایا تھا جہاں ملکہ الزبتھ اوّل کے زمانہ میں ترکی کے بعض مسلمان جرنیلوں کو ٹھہرایا گیا تھا۔ اس کمرہ کی دیواروں پر کلمہ طیبہ اور قرآنی آیات درج تھیں۔ حضورؓ نے بڑے جوش سے فرمایا کہ برائٹن جا کر تبلیغ کرو۔ خاکسار جب واپس آیا تو پختہ عزم کرلیا کہ برائٹن میں تبلیغ کے کام کا آغاز کیا جائے۔ چنانچہ مکرم عبدالعزیز دین صاحب کی معیت میں خاکسار برائٹن گیا۔ وہاں رائل پویلین میں ایک ہال نما کمرہ کرائے پر حاصل کیا اور لوکل اخبارات میں اشتہار شائع کیا کہ اگلے ہفتہ سے ہر ہفتہ اس ہال میں اسلام پر لیکچر دئے جائیں گے۔ برائٹن کے مقامی اخبارات نے خاکسار کا انٹرویو بمع خاکسار کی تصویر کے شائع کیا۔ پانچ ہزار کی تعداد میں ہینڈ بلز تیار کر کے گھروں میں تقسیم کئے۔ پہلی تقریر کے دوران ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ مکرم عبدالعزیز دین صاحب مرحوم نے صدارت کی۔ مکرم مولوی عبدالکریم صاحب اور مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب بھی میرے ساتھ تھے۔ خاکسار نے اسلام کی حقانیت پر تقریر کی۔ تقریر کے بعد ایک پادری صاحب نے مجھے دعوت مباحثہ دی جو خاکسار نے قبول کرلی اور اگلے ہفتہ کے لئے 'وفاتِ مسیح' کا موضوع مباحثہ کے لئے طے ہوا۔ اس مباحثہ کا اعلان مقامی اخبارات میں شائع ہوا اور حاضرین میں بھی خاصا جوش وخروش پیدا ہوا۔

اگلے ہفتہ لندن سے بھی خاصی تعداد میں لوگ برائٹن پہنچ گئے۔ انگریز غیر مسلموں کی اکثریت تھی۔ وقت مقررہ پر ہم ہال میں پادری صاحب کا انتظار کرنے لگے لیکن انہوں نے نہ آنا تھا اور نہ آئے۔ تب خاکسار نے اسلام پر تقریر کی۔ اس میٹنگ کے اختتام پر ایک خاتون Miss Irene Crene نے بیعت کرلی۔ الحمدللہ۔ ان کا اسلامی نام سلیمہ رکھا گیا۔ ان کے مضامین 'مسلم ہیرالڈ' میں شائع ہوتے رہے۔ بعد میں یہ ترکی چلی گئیں۔ بعدازاں تین چار میٹنگز کے دوران چھ سات انگریز خواتین وحضرات نے بیعت کرلی اور باقاعدہ جماعت قائم ہوگئی۔ یہ سب کچھ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی توجہ اور دعا کا نتیجہ تھا۔ یہ مشن ڈیڑھ دوسال تک ہر ہفتہ جاری رہا۔ بعد میں جب خاکسار امام مقرر ہوا تو بادل ناخواستہ اس کو بند کرنا پڑا کیونکہ خاکسار اکیلا تھا اور کوئی مبلغ ایسا نہ تھا جسے وہاں بھجوایا جاتا۔

'بزم شعروادب لندن' کا قیام

سکول کے دنوں میں میرے فیورٹ ناول نگاروں میں مولانا عبدالحلیم شرر، نسیم حجازی، رئیس امروہی اور ایم اسلم شامل تھے۔ مولانا عبدالحلیم شرر سے میری دلچسپی ایک دفعہ یہ پڑھنے سے ہوئی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے ان کے ایک ناول ''فلورا فلورنڈا'' کی بہت تعریف کی تھی۔ چنانچہ میں نے نہ صرف مولانا کا یہ ناول بلکہ ان کے کئی تاریخی اسلامی ناول بھی پڑھے اور باوجود اس کے کہ مجھے فکشن سے کوئی خاص رغبت نہیں رہی، میں مولانا شرر کے ناول پڑھ لیتا ہوں۔

انگریزی ناول کی طرف میری توجہ یوں ہوئی کہ کالج کے دنوں میں ایک مرتبہ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے میری سکول کی رپورٹ پڑھی کہ میں اردو ناول پڑھ لیتا ہوں تو حضورؓ فرمانے لگے کہ اگر تمہیں ناول پڑھنے کا شوق ہے تو انگریزی ناول پڑھا کرو۔ اس سے تمہاری انگریزی زبان بھی اچھی ہوجائے گی اور انگریزی معاشرہ کی سمجھ بھی آجائے گی۔ نیز فرمایا کہ اردو ناول میں مبالغہ اور جھوٹ کی آمیزش بہت زیادہ ہوتی ہے جبکہ انگریزی ناول حقائق کو کہانی کے انداز میں پیش کرتے ہیں، اگرچہ ان میں بھی Imagination کا کافی حصہ ہوتا ہے۔ چنانچہ کالج کے زمانہ میں مَیں نے H. Rider Haggard اور Sir Arthur Canon Doyle کے ناول بہت شوق سے پڑھے۔ Kipling اور بہت سارے دیگر انگریزی ناول نویسوں کے ناول بھی پڑھنے کے مواقع ملتے رہے۔

غالبًا اسی ادبی شوق کا نتیجہ تھا کہ تعلیم الاسلام کالج کے میگزین ''المنار'' کے اردو حصہ کی ایڈیٹری کے لئے مجھے چنا گیا۔ اس میگزین میں میرا پہلا مضمون خوشحال خان خٹک کی شاعری پر تھا، جو بہت پسند کیا گیا۔ بعد میں مولانا ابوالعطاء صاحب نے اپنے مشہور علمی رسالہ ''الفرقان'' کے ایڈیٹوریل بورڈ میں بھی مجھے شامل کرلیا اور اس رسالہ کے لئے بھی میں نے کئی مضامین لکھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل مجھ پر یہ ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جاری کردہ رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کی ادارت کا بھی مجھے شرف حاصل ہوا۔ الحمدللہ

1965ء میں مجھے خیال آیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اکثر کتب اردو میں ہیں اور اسی لحاظ سے اردو زبان کی ترویج واشاعت جماعت کا فرض ہے۔ اُن دنوں انگلستان میں سوائے دو ایک ادبی محفلوں کے اَور کوئی بھی تنظیم اردو ادب کے فروغ کے سلسلہ میں نہیں تھی۔ ایک بزم 'تفریح' ہوا کرتی تھی جس کے کرتا دھرتا چوہدری اکبر علی صاحب تھے۔ یہ محفل کلیۃً ادبی نہیں تھی بلکہ ایک حلقہ احباب سا تھا۔ ماہانہ اجلاس میں چوہدری صاحب کرسئ صدارت پر بیٹھ کر حاضرین کو کھلی دعوت دیتے کہ جو بھی سنانا چاہے آجائے۔ زبان کی کوئی پابندی نہ تھی۔ انگریزی، اردو، پنجابی سبھی زبانوں میں کارروائی چلتی رہتی۔ جس کا جی چاہتا نظم، غزل، مضمون، لطیفہ یا گانا سناتا رہتا۔ آخر پر چوہدری صاحب اپنے خرچ پر مہمانوں کی تواضع کرتے۔

باقی صفحہ 9 پر ملاحظہ فرمائیں

''قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت''

(محمد انعام غوری۔ قادیان)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلاَ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہ o

(سورہ الاعراف :44)

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسٰی مِنْ بَعْدِہٖ مِنْ حُلِیِّھِمْ عِجْلاً جَسَداً لَّہٗ خُوارٌ۔ اَلَمْ یَرَوْا اَنَّہٗ لاَ یُکَلِّمُھُمْ وَلاَ یَھْدِیْھِمْ سَبِیْلاً اِتَّخَذُوْہُ وَکَانُوا ظالمینo

(سورۃ الاعراف: 149)

پہلی آیت کا بامحاورہ ترجمہ اس طرح سے ہے کہ ہرقسم کی کامل اور جامع خوبیوں کا مالک وہی اللہ ہے جس نے ہمیں اِس گوچہ کی از خود رہنمائی فرمائی اگراس کی یہ پُرشفقت رہبری نہ ہوتی تو ناممکن تھا کہ اپنے طور سے راہ ہدایت اختیار کرتے اور خدا کو پالیتے۔ اور آیت نمبر 149 کا بامحاورہ ترجمہ اور تشریح اس طرح سے ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے (چالیس راتوں کے لئے سفر پر چلے جانے کے) بعد آپ کی قوم بنی اسرائیل نے اپنے زیورات سے ایک بچھڑا (بطور معبود) بنالیا۔ وہ محض ایک بے روح جسم تھا جس میں سے فقط ایک بے معنی آواز نکلتی تھی۔ اُنہوں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ یہ عجیب خدا ہے جو نہ تو اُن سے کوئی معقول کلام کرتا ہے اور نہ اُنہیں ہدایت کا رستہ دکھاتا ہے۔ بہرحال انہوں نے اسے بلاوجہ معبود بنالیا اور شرک میں مبتلا ہوکر ظالم بن گئے۔

اللہ کی ذات نہایت لطیف اور وراء الوراء ہے۔ وہ ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ ایک فلسفی نظام کائنات پرغور کرکے اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اس مربوط اور مستحکم نظام کو چلانے والا کوئی طاقتور وجود ہونا چاہئے لیکن ''ہونا چاہئے'' اور ''ہے'' میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

صرف ''ہونا چاہئے'' کے نظریہ پر کوئی شخص مومن نہیں کہلا سکتا اور نہ ایمان کے تقاضے پورے کرسکتا ہے۔ جب تک کہ اس کو اس قادر مطلق ہستی کی پوری معرفت حاصل نہ ہوجائے وہ نہ اٰمنتُ باللّٰہ کہہ سکتا ہے اور نہ اس ایمان کی حفاظت پر استقامت دکھاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے جو انبیاء اور رسول دنیا میں آتے ہیں ان کی بعثت کی اصل غرض یہی ہوتی ہے کہ خدا کی ذات کے متعلق ''ہونا چاہئے'' کے فلسفیانہ نظریہ کو ''موجود ہے'' کے عرفان میں بدل دیں اور خدا کا چہرہ دنیا کو دکھا دیں۔

تیرہویں صدی ہجری اور انیسوی صدی عیسوی کے دوران زمانہ کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ دہریوں کا تو ذکر کیا جو بڑے بڑے مذاہب کو ماننے والے تھے ان کے اندر بھی توحید باری تعالیٰ کا فقدان ہوچکا تھا۔ چنانچہ عیسائی دنیا تثلیث کی قائل ہے ہندوؤں کے مختلف فرقے خدائے واحد کی جگہ بتوں اور مورتیوں کی پرستش کرتے ہیں۔ آریہ سماجی مورتی پوجا کے خلاف اور توحید کے قائل ہونے کے باوجود ایسے پرمیشر کے پرستار ہیں جو روح پیدا کرسکتا ہے اور نہ مادہ، دونوں ہی خدا کی طرح قدیم سے چلے آرہے ہیں۔ پرمیشر صرف دونوں کو آپس میں جوڑ جاڑ کر مخلوق پیدا کردیتا ہے۔

پھر مسلمان جن کے بچوں کو توحید کا سبق گھٹی میں گھول کر پلایا جاتا ہے۔ اور آنکھ کھولتے ہی ان کے کانوں میں لَااِلٰہَ اِلّا اللّٰہ کی صدا ڈالی جاتی ہے۔ وہ بھی کئی طرح کی بدعات اور شرک میں مبتلاء ہوچکے ہیں اور توحید کے قائل ہونے کے باوجود ایسے خدا کو مانتے ہیں جو نہ دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور نہ جواب دیتا ہے۔ اور نہ اپنے نیک بندوں سے کلام کرتا ہے۔ اور نہ معجزات دکھاتا ہے۔

پس وہ قادر وتوانا خدا جس کی قدرتوں سے بھرے نظارے مثلاً آج سے چار ہزار سال پہلے جس نے اپنی قدرت سے مکّہ کی بے آب وگیاہ سرزمین میں اپنے مقدس گھر بیت اللہ کے پاس جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیاس کی شدت سے ایڑیاں رگڑرہے تھے، میٹھے پانی کا چشمہ جاری کردیا۔ اور وہ خدا جس نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب مخالفوں نے بھڑکتی آگ میں ڈال دیا تو ''یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلیٰ اِبْرَاھِیْمَ'' فرما کر آگ کو ٹھنڈی کردیا اور وہ آگ آپ کو جلا نہ سکی وہ زندہ خدا آج کہاں ہے اور کس کے پاس اس کا پتہ ہے۔ اور کون اس سے ملاسکتا ہے؟

ہاں وہ زندہ خدا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو فرعون اور اس کے لشکر سے بچانے کے لئے سمندر کو پھاڑ کر نجات دی اور فرعون اور اس کے لشکر کو اسی سمندر میں غرق کردیا۔ وہ خدا جس نے حضرت ذکریا اور ان کی بیوی جیسے بوڑھے اور بانجھ جوڑے کو اپنی قدرت کاملہ سے ایک ایسا بیٹا عطا فرمایا جو بڑا ہوکر منصب رسالت پر فائز کیا گیا۔ وہ خدا جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی قادرانہ تجلی سے بن باپ کے مریم بتول کے بطن سے پیدا کیا اور منصب رسالت پر فائز فرمایا اور محض اپنی قدرت کاملہ سے دشمنوں کے ناپاک منصوبے کو ناکام کرکے صلیبی موت سے نجات دے کر لمبی زندگی اور اپنے مشن میں کامرانی عطا کرکے طبعی موت سے وفات دی۔

ہاں ہاں وہ خدا جس نے ہمارے آقا و مطاع حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کے نرغے سے نکال کر ایک غار میں مکڑی کے جالے کے ذریعہ پناہ دے کر بحفاظت مدینہ پہنچایا۔ اور پھر جب آپ پر اور غریب اور کمزور مسلمانوں پر کفار مکہ پورے عرب کو ساتھ ملا کر لاؤ لشکر لے کر چڑھ آئے تو ان دفاعی جنگوں میں بھی اپنی قادرانہ تجلیات کے حیرت انگیز نشان دکھائے۔ مثلاً کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مٹھی ریت نے دشمنوں کے لشکر پر آندھی اور طوفان کے جھکڑ چلادئے، کہیں تھوڑے کھانے میں اس قدر برکت ڈال دی کہ چند آدمیوں کا کھانا کئی سو افراد نے سیر ہوکر کھایا۔ ایک موقعہ پر خدا کی قدرت کا یہ نظارہ ظاہر ہوا کہ ایک پیالہ دودھ کو اپنے لبوں سے برکت دے کر اصحاب الصُّفہ کی ایک جماعت کو سیر کردیا۔ اور ایک مشکیزہ پانی میں اپنی انگلیاں ڈال کر اس قدر برکت بخشی کہ پورا لشکر سیراب ہوا۔ اور ایک نہایت بے مثال معجزہ دنیا نے یہ دیکھا کہ ملک عرب کی وہ وحشی، اُجڈ اور گنوار قوم جو گویا انسان کہلانے کی بھی مستحق نہیں تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ اور آپؐ کی اندھیری راتوں کی دعاؤں کی برکت سے وہ نہ صرف انسان بن گئے بلکہ بااخلاق انسان بن گئے اور اس سے ترقی کرکے

باخدا انسان ہی نہیں بلکہ خدا نما انسان بن گئے۔ یہ تمام سو فیصد درست اور سچے واقعات ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ آج وہ زندہ خدا کہاں اور کس کے قریب ہے؟ اور کون اس سے ملاقات کرانے کا دعویدار ہے؟ ورنہ سب اہل مذاہب اور اقوام و ملل پرانے قصوں کو ہی سناتے جاتے ہیں۔

ایسے نازک دور میں بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام مبعوث ہوتے ہیں اور خاص طور پر مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

''افسوس مسلمانوں کی عقل ماری گئی جو ایک خدا کے ماننے والے تھے وہ اب ایک مردہ کو خدا سمجھتے ہیں۔ اور اُن خداؤں کا تو شمار نہیں جو مُردہ پرستوں اور مزار پرستوں نے بنائے ہوئے ہیں۔ ایسی حالت اور صورت میں خدا تعالیٰ کی غیرت نے یہ تقاضا کیا ہے کہ اُن مصنوعی خداؤں کی خدائی کو خاک میں ملایا جاوے۔ زندوں اور مُردوں میں ایک امتیاز قائم کر کے دنیا کو حقیقی خدا کے سامنے سجدہ کرایا جاوے۔ اسی غرض کے لئے اس نے مجھے بھیجا ہے۔ اور اپنے نشانوں کے ساتھ بھیجا ہے''۔ (ملفوظات جلد 6 صفحہ 272)

نیز فرماتے ہیں:

''اے مسلمانو! ہوشیار ہو جاؤ کہ ایسا خیال سراسر جہالت اور نادانی ہے اگر اسلام ایسا ہی مُردہ مذہب ہے تو کِس قوم کو تم اس کی طرف دعوت کر سکتے ہو؟ کیا اس مذہب کی لاش جاپان لے جاؤ گے یا یورپ کے سامنے پیش کرو گے؟ اور ایسا کون بیوقوف ہے جو ایسے مردہ مذہب پر عاشق ہو جائے گا جو بمقابلہ گذشتہ مذہبوں کے ہر ایک برکت اور روحانیت سے بے نصیب ہے۔ گذشتہ مذہبوں میں عورتوں کو بھی الہام ہوا جیسا کہ موسیٰ کی ماں اور مریم کو۔ مگر تم مرد ہو کر ان عورتوں کے برابر بھی نہیں بلکہ اے نادانو!! اور آنکھوں کے اندھو!! ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمارے سیّد و مولیٰ (اس پر ہزار ہا سلام) اپنے افاضہ کے رُو سے تمام انبیاء پر سبقت لے گئے ہیں... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی فیضان قیامت تک جاری ہے۔ اسی لئے باوجود آپ کے اس فیضان کے اس اُمت کے لئے ضروری نہیں کہ کوئی مسیح باہر سے آوے۔ بلکہ آپ کے سایہ میں پرورش پانا ایک ادنیٰ انسان کو مسیح بنا سکتا ہے جیسا کہ اس نے اس عاجز کو بنایا''۔ (چشمۂ مسیحی روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 379)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانیؓ کے بڑے بھائی خلیل الرحمٰن صاحب سجادہ نشین سرساوہ، جو حضور علیہ السلام کے مخالف تھے نے لکھا کہ میں کشف قبور کر سکتا ہوں اور کرا سکتا ہوں۔ (یعنی قبر میں مدفون مردہ سے بات کر سکتا اور کرا سکتا ہوں) اگر مرزا صاحب سچے ہیں تو وہ بھی مجھے کشف قبور کر کے دکھا دیں۔ حضور علیہ السلام نے انہیں جواب لکھوایا کہ:

''کشف قبور کا معاملہ تو بالکل بے ہودہ امر ہے۔ جو شخص زندہ خدا سے کلام کرتا ہے اور اس کی تازہ بتازہ وحی اُس پر آتی ہے اور اس کے ہزاروں نہیں لاکھوں ثبوت بھی موجود ہیں۔ اس کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ مُردوں سے کلام کرے اور مُردوں کی تلاش کرے اور اس امر کا ثبوت ہی کیا ہے کہ فلاں مُردے سے کلام کیا ہے۔ یہاں تو لاکھوں ثبوت موجود ہیں...... غرض ہمیں ضرورت کیا پڑی ہے کہ ہم زندہ خدا کو چھوڑ کر مُردوں کو تلاش کریں''۔ (ملفوظات جلد 7 صفحہ 323 تا 324)

آج کے سائنس اور ٹیکنالوجی کے ترقی یافتہ زمانے میں جب کہ انسان چاند اور دیگر سیاروں پر قدم رکھ کر اعلان کر رہا ہے کہ ہمیں تو آسمان کی بلندیوں اور خلاؤں میں کوئی خدا نظر نہیں آیا۔ حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ مسیح موعود علیہ السلام نے یہ خوشخبری سنائی کہ:

''ہمارا زندہ حیّ و قیوم خدا ہم سے انسان کی طرح باتیں کرتا ہے۔ ہم ایک بات پوچھتے اور دعا کرتے ہیں تو وہ قدرت کے بھرے ہوئے الفاظ کے ساتھ جواب دیتا ہے اگر یہ سلسلہ ہزار مرتبہ تک بھی جاری رہے تب بھی وہ جواب دینے سے اعراض نہیں کرتا۔ وہ اپنے کلام میں عجیب در عجیب غیب کی باتیں ظاہر کرتا ہے اور خارق عادت قدرتوں کے نظارے دکھلاتا ہے یہاں تک کہ وہ یقین کرا دیتا ہے کہ وہ وہی ہے جس کو خدا کہنا چاہئے۔ (نسیم دعوت صفحہ 82)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''سچا الہام خدا تعالیٰ کی طاقتوں کا اثر اپنے اندر رکھتا ہے اور ضروری ہے کہ اس میں پیشگوئیاں بھی ہوں اور وہ پوری بھی ہو جائیں۔ (رسالہ ضرورۃ الامام صفحہ 18)

پس اس لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ آپ نے خدائے گمشدہ کا پتہ دیا اور جو دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہو چکا تھا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی سچی متابعت کی برکت سے اس زندہ خدا کو نہ صرف پا لیا بلکہ اس کے مکالمہ مخاطبہ کا شرف پا کر تمام دنیا کو اس خدائے قادر مطلق کی نشان نمائی کی دعوت دی اور 20 ہزار رجسٹری خطوط تمام ممالک یورپ اور امریکہ وغیرہ میں بھجوائے اس خوشخبری کے ساتھ کہ خدا کی قدرت کے نشان دکھانے اور زندہ خدا کا چہرہ دکھلانے کے لئے خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے۔ جو یہ نشان دیکھنے کے خواہشمند ہوں وہ میرے پاس آ کر ایک سال تک رہیں اس عرصہ میں اگر میں کوئی نشان نہیں دکھا سکا تو ماہوار دو سو روپے کے حساب سے چوبیس سو روپے بطور حرجانہ و جرمانہ ادا کیا جائے گا۔

بہر حال اس کی ایک الگ تفصیل ہے کہ کسی نے صدق دلی سے اس دعوت کو قبول نہیں کیا اور چند جنہوں نے قبول کیا تو کس طرح استہزاء و تمسخر کا رنگ اختیار کیا اور پھر ان کا انجام کیا ہوا۔ اس تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں اور نہ وقت ہے۔ لیکن اس یکطرفہ نشان نمائی کے سلسلہ میں حضور علیہ السلام نے 1886ء میں قادیان سے ہوشیار پور کا سفر اختیار کیا اور وہاں جا کر ایک مکان میں مسلسل چالیس دن شبانہ روز تنہائی و خلوت میں پرسوز دعاؤں میں گزارے اور خدا تعالیٰ سے التجاء کی کہ اے خدا! میرے ہاتھ پر اسلام کی تائید میں کوئی ایسا نشان دکھا جسے دیکھنے کے بعد ہر شخص یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو کہ ایسا نشان انسانی تدبیر اور کوشش سے ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اور پھر یہ نشان ایسا ہو جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی حقانیت کو روشن کرنے والا اور خدا کا جلال ظاہر کرنے والا ہو۔

چنانچہ اس چلہ کشی کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے جو عظیم الشان پیشگوئی عطا فرمائی جو دراصل کئی پیشگوئیوں کا مجموعہ ہے اور ایک جلیل القدر اور عظیم المرتبت فرزند کی بشارت عطا فرمائی۔ اس کا کسی قدر اختصار کے ساتھ ذکر کروں گا۔

اس پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''خدائے رحیم و کریم بزرگ و برتر نے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ (جلّشانہ، وعزّ اسمہ) مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کر کے فرمایا میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں اسی کے موافق جو تو نے مجھ سے مانگا۔ سو میں نے تیری تضرعات کو سنا اور

تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایۂ قبولیت جگہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔

سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے۔اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔اے مظفر تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا: تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پاویں اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں اور تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں...سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذرّیت و نسل ہوگا۔“

پھر اس موعود فرزند کی صفات کا تفصیل سے اس پیشگوئی میں ذکر فرمایا گیا ہے۔جن میں سے بعض یہ ہیں۔فرمایا:۔

”وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا....نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا۔اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔“

اس پیشگوئی میں یہ بھی بشارت آپ کو عطا فرمائی گئی۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا:

”اور وہ وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ خدا بادشاہوں اور امیروں کے دلوں میں تیری محبت ڈالے گا۔یہاں تک کہ وہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔“

پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے علم پا کر یہ بھی اعلان فرمایا تھا کہ:

”9 سال کے اندر یہ موعود لڑکا آپ کے گھر ضرور پیدا ہوگا۔

(اشتہار 20 فروری 1886ء از ہوشیارپور)

جس وقت آپ نے خدائے قادر و مطلق کی طرف سے یہ پیشگوئی دنیا کو سنائی آپ کی عمر 52 سال کو پہنچ رہی تھی۔دنیا میں کون ایسا شخص ہے جو 52 سال کی عمر میں اپنی طرف سے یہ اعلان کرے کہ 9 سال تک میں بھی زندہ رہوں گا اور میری بیوی بھی زندہ رہے گی اور 9 سال کے اندر اندر میرے گھر اولاد ہوگی اور اولاد میں بھی بیٹا پیدا ہوگا۔اور بیٹا بھی ایسا جو لمبی عمر پانے والا ہوگا اور ان صفات کا حامل ہوگا جو پیشگوئی میں بیان ہوئی ہیں اور دنیا کے کناروں تک شہرت پا جائے گا کوئی بھی عقل مند ہوشمند انسان ایسے دعاوی ہرگز نہیں کر سکتا ہے۔مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے علی الاعلان ایسے دعاوی فرمائے اور دنیا بھر میں مشتہر کئے۔مخالفوں نے ہنسی اُڑائی اور یہاں تک کہہ دیا کہ نو سال تو دور کی بات ہے، 3 سال کے اندر اندر نعوذ باللہ خود آپ کا خاتمہ ہو جائے گا لیکن دنیا نے دیکھا کہ وہ موعود فرزند تین سال کے اندر ہی 1889ء میں پیدا ہو گیا اور پیشگوئی کے مطابق ان عظیم الشان صفات کا حامل بنا اور 25 سال کی عمر میں قدرت ثانیہ کا مظہر بن کر مسند خلافت پر متمکن ہوا اور 51 سال سے زائد عرصہ تک اسلام احمدیت کی کشتی کا ملاح بنا رہا اور اپنے کارہائے نمایاں کے ذریعہ دنیا کے کناروں تک شہرت پا گیا۔سو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا ہی سچ فرمایا ہے:

قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے
جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ میں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرزند دلبند گرامی ارجمند حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد جو جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفہ اور المصلح الموعود کے لقب سے معروف ہوئے۔خود آپ کو خدا تعالیٰ نے یہ اطلاع دی کہ آپ ہی وہ موعود فرزند ہیں تب آپ نے 1944ء کے جلسہ میں جو لاہور میں منعقد ہوا تھا یہ اعلان فرمایا کہ:

”آج میں اس جلسہ میں اس واحد اور قہار خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے اور جس پر افتراء کرنے والا اس کے عذاب سے کبھی بچ نہیں سکتا کہ خدا نے مجھے اس شہر لاہور میں 13 ٹمپل روڈ پر شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کے مکان میں یہ خبر دی کہ میں ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ہوں اور میں ہی وہ مصلح موعود ہوں جس کے ذریعہ اسلام دنیا کے کنارے تک پہنچے گا۔اور توحید دنیا میں قائم ہوگی......اس پیشگوئی کی صداقت پر وہ لاکھوں لوگ گواہ ہیں جو میرے ذریعے اسلام پر قائم ہوئے، جو میرے ذریعے توحید پر قائم ہوئے جو میرے ذریعے خدا اور اس کے رسول کے والہ و شیدا بنے۔عیسائی اس بات کے گواہ ہیں کہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ آریہ اس بات کے گواہ ہیں کہ پیشگوئی پوری ہوگئی“۔

1944ء کے اس جلسہ میں آپ مزید فرماتے ہیں کہ آج سے انسٹھ سال پہلے خدائے علیم و خبیر نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر دی تھی کہ میرا ایک بیٹا ہوگا اور وہ دنیا کے کناروں تک شہرت پائے گا۔یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔انگلستان اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔سپین اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔اٹلی اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔اسی طرح البانیہ، یوگوسلاویہ، پولینڈ، چیکوسلوواکیہ، شمالی امریکہ، جنوبی امریکہ، سیرالیون، گولڈکوسٹ (گھانا)، نائیجیریا، مصر، کینیا کالونی، یوگینڈا، زنجبار، ٹانگانیگا، سیلون (سری لنکا)، ماریشس، فلسطین، شام، چین، جاپان، سماٹرا، جاوا، ملایا، ایران، کابل۔ان ممالک کا نام لے لے کر اعلان فرمایا کہ یہ سب اس بات کے گواہ ہیں کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔نیز ہندوستان کا کونہ کونہ اس بات کا گواہ ہے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ کیوں کہ آپ نے ہی آج سے قریباً 90 سال قبل نہایت نامساعد حالات میں ان تمام ممالک میں تبلیغ اسلام کے لئے اپنے نمائندگان بھجوائے تھے۔

اور آج تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے درجن دو درجن نہیں بلکہ پورے 200 ممالک اس بات کے گواہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو 1886ء میں 40 روز کی شبانہ روز دعاؤں کے نتیجہ میں جو عظیم الشان بشارت ایک موعود فرزند کی صورت میں عطا فرمائی تھی۔اور جس کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ دنیا کے کناروں تک پہنچانے کا وعدہ فرمایا تھا۔وہ نہ صرف پوری ہو چکی ہے بلکہ آج بھی پوری ہو رہی ہے۔کیوں کہ نہ صرف آپ کے ذریعہ تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن کے عظیم الشان کام ہوئے بلکہ آپ کے دو فرزند حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ اور حضرت مرزا طاہر احمد صاحبؒ یکے بعد دیگر تیسرے اور چوتھے خلیفہ بنے اور آج جو

پانچویں خلافت کے فیض سے ہم فیضیاب ہو رہے ہیں امیر المؤمنین حضرت مرزا مسرور احمد صاحب یہ بھی حضرت مصلح موعودؓ کے نواسے ہیں اور جس قدر بھی اشاعت اسلام اور اشاعت قرآن کے کام ہو رہے ہیں سب اس بات کا ثبوت ہیں کہ واقعی زندہ خدا نے ہی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے کلام کیا تھا اور اپنے الہام اور عظیم الشان پیشگوئیوں سے سرفراز فرمایا تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''زندہ مذہب وہ ہے جس کے ذریعہ سے زندہ خدا ملے۔ زندہ خدا وہ ہے جو ہمیں بلاواسطہ ملہم کر سکے اور کم سے کم یہ کہ ہم بلاواسطہ ملہم کو دیکھ سکیں۔ سو میں تمام دنیا کو خوشخبری دیتا ہوں کہ یہ زندہ خدا اسلام کا خدا ہے۔'' (مجموعہ اشتہارات جلد 2 صفحہ 311)

سو خدا تعالیٰ کے مامورین جو دنیا میں آتے ہیں وہ خدا کی قدرتوں کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ انہی کے ذریعے خدا تعالیٰ اپنی قدرتوں کے نشان دکھلاتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''میری تائید میں اُس نے وہ نشان ظاہر فرمائے ہیں کہ آج کی تاریخ سے جو 16 جولائی 1906ء ہے اگر میں ان کو فرداً فرداً شمار کروں تو میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ تین لاکھ سے بھی زیادہ ہیں اور اگر کوئی میری قسم کا اعتبار نہ کرے تو میں اس کو ثبوت دے سکتا ہوں۔

بعض نشان اس قسم کے ہیں جن میں خدا تعالیٰ نے ہر ایک محل پر اپنے وعدہ کے موافق مجھ کو دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھا اور بعض نشان اس قسم کے ہیں جن میں ہر محل میں اپنے وعدہ کے موافق میری ضرورتیں اور حاجتیں اس نے پوری کیں۔ اور بعض نشان اس قسم کے ہیں جس میں اس نے بموجب اپنے وعدہ 'اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ' کے میرے پر حملہ کرنے والوں کو ذلیل اور رسوا کیا اور بعض نشان اس قسم کے ہیں جو مجھ پر مقدمہ دائر کرنے والوں پر اس نے اپنی پیشگوئیوں کے مطابق مجھ کو فتح دی.... اور بعض نشان اس قسم کے ہیں جن میں دوستوں کے حق میں میری دعائیں منظور ہوئیں۔ اور بعض نشان اس قسم کے ہیں جو شریر دشمنوں پر میری بددعا کا اثر ہوا۔ اور بعض نشان اس قسم کے ہیں جو میری دعا سے بعض خطرناک بیماروں نے شفا پائی اور ان کی شفاء کی پہلے خبر دی گئی۔ اور بعض نشان اس قسم کے ہیں جو میرے لئے اور میری تصدیق کے لئے عام طور پر خدا نے حوادث ارضی یا سماوی ظاہر کئے۔ اور بعض نشان اس قسم کے ہیں جو میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے ممتاز لوگوں کو جو مشاہیر فقراء میں سے تھے خوابیں آئیں اور آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا جیسے سجادہ نشین صاحب العلم سندھ جن کے مرید ایک لاکھ کے قریب تھے اور جیسے خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں والے اور بعض نشان اس قسم کے ہیں کہ ہزارہا انسانوں نے محض اس وجہ سے میری بیعت کی کہ خواب میں ان کو بتلایا گیا کہ یہ سچا ہے۔ اور خدا کی طرف سے ہے اور بعض نے اس وجہ سے بیعت کی کہ آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا اور آپؐ نے فرمایا کہ دنیا ختم ہونے کو ہے اور یہ خدا کا آخری خلیفہ اور مسیح موعود ہے۔'' (حقیقۃ الوحی صفحہ 67-68)

اس کتاب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 208 نشان درج فرمائے ہیں ان میں سے اس وقت سوواں نشان پیش کرتا ہوں۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: 100 واں نشان۔ براہین احمدیہ کی وہ پیشگوئی ہے جو اس کے صفحہ 241 میں درج ہے اور پیشگوئی کی عبارت یہ ہے:

لَا تَیْئَسْ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اَلَا اِنَّ رَوْحَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ اَلَا اِنَّ نَصْرَاللّٰہِ قَرِیْبٌ یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ یَنْصُرُکَ اللّٰہُ مِنْ عِنْدِہٖ یَنْصُرُکَ رِجَالٌ نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ مِنَ السَّمَآءِ وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰہِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ۔ (براہین احمدیہ مطبوعہ 1881ء و 1882ء صفحہ 241)

ترجمہ: خدا کے فضل سے نومید مت ہو اور یہ بات سن رکھ کہ خدا کا فضل قریب ہے۔ خبردار ہو کہ خدا کی مدد قریب ہے۔ وہ مدد ہر ایک راہ سے تجھے پہنچے گی اور ہر ایک راہ سے لوگ تیرے پاس آئیں گے اور اس کثرت سے آئیں گے کہ وہ راہیں جن پر وہ چلیں گے عمیق ہو جائیں گی۔ خدا اپنے پاس سے تیری مدد کرے گا۔ تیری مدد وہ لوگ کریں گے جن کے دلوں میں ہم آپ القاء کریں گے۔ مگر چاہئے کہ تو خدا کے بندوں سے جو تیرے پاس آئیں گے بدخلقی نہ کرے اور چاہئے کہ تو ان کی کثرت دیکھ کر ملاقاتوں سے تھک نہ جائے۔ اس پیشگوئی کو آج تک پچیس برس گزر گئے جب یہ براہین احمدیہ میں شائع ہوئی تھی اور یہ اس زمانہ کی پیشگوئی ہے جب کہ میں زاویہ گمنامی میں پوشیدہ تھا اور ان سب میں سے جو آج میرے ساتھ ہیں مجھے کوئی بھی نہیں جانتا تھا...... بعد اس کے خدا تعالیٰ نے اس پیشگوئی کے پورا کرنے کے لئے اپنے بندوں کو میری طرف رجوع دلایا اور فوج در فوج لوگ قادیان میں آئے۔ اور آرہے ہیں اور نقد اور جنس اور ہر ایک قسم کے تحائف اس کثرت سے لوگوں نے دئے اور دے رہے ہیں جن کا میں شمار نہیں کر سکتا اور ہر چند مولویوں کی طرف سے روکیں ہوئیں اور انہوں نے ناخنوں تک زور لگایا کہ رجوع خلائق نہ ہو یہاں تک کہ مکہ تک سے بھی فتوے منگوائے گئے اور قریباً دوسو مولویوں نے میرے پر کفر کے فتوے دئے بلکہ واجب القتل ہونے کے بھی فتوے شائع کئے گئے لیکن وہ اپنی تمام کوششوں میں نامراد رہے اور انجام یہ ہوا کہ میری جماعت پنجاب کے تمام شہروں اور دیہات میں پھیل گئی اور ہندوستان میں بھی جابجا یہ تخم ریزی ہو گئی بلکہ یورپ اور امریکا کے بعض انگریز بھی مشرف باسلام ہو کر اس جماعت میں داخل ہوئے اور اس قدر فوج در فوج قادیان میں لوگ آئے کہ یکوں کی کثرت سے کئی جگہ سے قادیان کی سڑک ٹوٹ گئی۔ اس پیشگوئی کو خوب سوچنا چاہئے اور خوب غور سے سوچنا چاہئے کہ اگر یہ خدا کی طرف سے پیشگوئی نہ ہوتی تو یہ طوفان مخالفت جو اُٹھا تھا اور تمام پنجاب اور ہندوستان کے لوگ مجھ سے ایسے بگڑ گئے تھے جو مجھے پیروں کے نیچے کچلنا چاہتے تھے ضرور تھا کہ وہ لوگ اپنی جان توڑ کوششوں میں کامیاب ہو جاتے اور مجھے تباہ کر دیتے۔ لیکن وہ سب کے سب نامراد رہے...... کون جانتا تھا اور کس کے علم میں یہ بات تھی کہ جب میں ایک چھوٹے سے بیج کی طرح بویا گیا اور بعد اس کے ہزاروں پیروں کے نیچے کچلا گیا اور آندھیاں چلیں اور طوفان آئے اور ایک سیلاب کی طرح شور بغاوت میرے اس چھوٹے سے تخم پر پھر گیا۔ پھر بھی میں ان صدمات سے بچ جاؤں گا؟ سو وہ تخم خدا کے فضل سے ضائع نہ ہوا بلکہ بڑھا اور پھولا اور آج وہ ایک بڑا درخت ہے جس کے سایہ کے نیچے تین لاکھ انسان آرام کر رہا ہے۔'' (حقیقۃ الوحی صفحہ 249-251)

یہ تو 1907ء کی بات ہے آج تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے دنیا کے دوصد ممالک کے کروڑوں انسان اس سایہ دار درخت کے نیچے آرام کر رہے ہیں اور آج دنیا دیکھ رہی ہے کہ 120 سال قبل قادیان کی اس گمنام بستی سے جو ایک کمزور آواز اُٹھی تھی ہزاروں مخالفتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسی قوت اور شوکت بخشی ہے کہ

دنیا کے دوصد ممالک میں سچائی کی یہ آواز گونج رہی ہے اور جماعت احمدیہ کے ٹی وی چینل مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ انٹرنیشنل کے ذریعہ چوبیس گھنٹے دنیا کے کونے کونے میں احمدیت یعنی حقیقی اسلام کا پیغام دیکھا اور سنا جارہاہے۔ یہ سب کس کے کام ہیں؟ یہ ہمارے قادر مطلق زندہ خدا کے افضال ہیں جن کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکی۔ پس کیا یہ سچ نہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ۔

قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے

آخر میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دو اقتباس پیش کرتا ہوں۔ آپؑ فرماتے ہیں:’’اس قادر اور سچے اور کامل خدا کو ہماری روح اور ہمارا ذرّہ ذرّہ وجود کا سجدہ کرتا ہے جس کے ہاتھ سے ہر اک روح اور ہر ایک ذرّہ مخلوقات کا مع اپنی تمام قویٰ کے ظہور پذیر ہوا...... اور ہزاروں درود اور سلام اور رحمتیں اور برکتیں اُس پاک نبی محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل ہوں جس کے ذریعہ سے ہم نے وہ زندہ خدا پایا جو آپ کلام کر کے اپنی ہستی کا آپ ہمیں نشان دیتا ہے اور آپ فوق العادت نشان دکھلا کر اپنی قدیم اور کامل طاقتوں اور قوتوں کا ہم کو چمکنے والا چہرہ دکھاتا ہے ......وہ ہمارا سچا خدا بے شمار برکتوں والا ہے اور بے شمار قدرتوں والا اور بے شمار حُسن والا احسان والا، اس کے سوا کوئی اور خدا نہیں‘‘۔ (نسیم دعوت صفحہ 3)

نیز فرماتے ہیں:

’’ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں۔ کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے۔ اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں۔ کس دَف سے میں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سن لیں۔ اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔ اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے‘‘۔

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 22-21)

بقیہ از صفحہ 4: تاریخ احمدیت یُو کے کی چند جھلکیاں

بقیہ از صفحہ 4:

1965ء میں خاکسار نے ایک بزم شعروادب یعنی Urdu Literary Society کی بنیاد ڈالی اور میں ہی اس کا بانی صدر بنا۔ مکرم لئیق احمد صاحب طاہر نائب امام سیکرٹری مقرر ہوئے۔ بزم کا پہلا اجلاس مسجد کے ہال میں ہوا اور یہ فیصلہ ہوا کہ بزم کا اجلاس ماہانہ ہوگا، انگلستان کے شعراء اور ادیبوں کو اس میں دعوت دی جائے گی، مشاعرے منعقد کئے جایا کریں گے اور اردو ادب پر مضامین پڑھے جائیں گے۔ نیز یہ بھی کہ اجلاس کے بعد چائے وغیرہ کے اخراجات کا بوجھ مشن پر نہ ڈالا جائے گا بلکہ چند دوست مل کر باری باری یہ بوجھ اٹھائیں گے۔

بزم کا آغاز نہایت کامیابی سے ہوگیا۔ ابتدائی اجلاسات میں انگلستان کے بعض معروف ادیبوں اور شعراء نے اپنے مضامین اور اشعار پیش کئے۔’’علامہ اقبال کی شاعری‘‘ پر جناب محمد شریف بقا کا مقالہ بہت پسند کیا گیا۔ مشہور انگریز اردو ادیب Rolph Russel نے غالب کی شاعری پر اپنا مقالہ اردو زبان میں پڑھا۔ اردو نعت کے موضوع پر ہادی علی چوہدری صاحب نے مقالہ پیش کیا۔ بزم نے کئی بین الاقوامی مشاعرے بھی پیش کئے جس میں انگلستان کے علاوہ برصغیر کے نامور شعراء نے کلام پیش کیا جن میں جناب ثاقب زیروی، جناب جگن ناتھ آزاد، جناب نسیم سیفی، جناب عبیداللہ علیم، جناب سلیم شاہجہانپوری اور جناب چوہدری محمد علی صاحب شامل ہیں۔ انگلستان کے تقریباً تمام مشہور و معروف شعراء نے ان مشاعروں میں شرکت کی۔ ان مشاعروں کو کامیاب بنانے میں مکرم ناظم خان غوری صاحب، مکرم منصور احمد بی ٹی صاحب، مکرم بشیر احمد سامی صاحب مرحوم، مکرم ارشد باقی صاحب اور مکرم ہدایت اللہ بنگوی صاحب نے بہت مدد کی۔ مکرم ناظم غوری صاحب ایشین elderly سوسائٹی کے سیکرٹری بھی تھے اور اُن کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا۔ بزم کے بعض مشاعروں کی اطلاع اخبار جنگ میں بھی شائع ہوتی رہی اور روزنامہ’’الفضل‘‘ ربوہ میں بھی بعض رپورٹیں شائع ہوتی رہیں۔

بزم کا ایک تاریخی مشاعرہ 1972ء میں منعقد ہوا جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اپنے دورہ کے سلسلہ میں انگلستان تشریف لائے۔ خاکسار نے حضورؒ سے اس بزم کی کارگزاری کا تذکرہ کیا تو حضورؒ نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ حضورؒ انگلستان کے چیدہ چیدہ شعراء سے ملنا پسند فرمائیں گے۔ چنانچہ خاکسار نے حضورؒ کی اجازت سے بزم شعروادب کے زیر اہتمام ایک مشاعرہ کا انتظام محمود ہال میں کیا جس میں ہماری درخواست پر حضورؒ نے بھی شرکت فرمائی۔ برطانیہ کے ایک درجن کے قریب معروف شعراء میں ہندو اور سکھ شعراء بھی شامل تھے۔ مشاعرہ کے دوران سارا وقت حضورؒ تشریف فرما رہے اور اچھے اشعار پر داد بھی دیتے رہے اور بعض شعراء کو بطور تحفہ فاؤنٹین پین بھی عطا فرمائے۔ حضورؒ نے بالخصوص جناب بخش لائلپوری صاحب کا کلام بہت پسند فرمایا، دو تین مرتبہ انہیں سٹیج پر بلا کر اُن کا کلام سنا اور اپنے زیر استعمال قیمتی فاؤنٹین پین انہیں عنایت فرمایا۔ جناب بخش لائلپوری صاحب "Progressive Writers Association" برطانیہ کے صدر بھی تھے اور 1974ء میں جب پاکستان میں جماعت احمدیہ کی مخالفت کا طوفان اٹھا تو بخش صاحب نے پاکستان کے ملّاؤں کی مذمّت میں چند نظمیں بھی کہیں جو بعض اردو اخبارات میں شائع بھی ہوئیں۔ حضورؒ نے جناب سوہن راہی صاحب کی مترنم پڑھی گئی نظموں کو بھی بہت پسند فرمایا۔

مشاعرہ کے اختتام پر حضورؒ نے ارشاد فرمایا کہ اس بزم کو ضرور جاری رکھا جائے۔ اور پھر اس بزم کے لئے کچھ رقم اپنی جیب سے بھی عنایت فرمائی۔

بزم کے ایک مشاعرہ میں ہندو پاک کے ایک مشہور و ممتاز شاعر جناب جگن ناتھ آزاد صاحب نے بھی شرکت کی اور اپنا کلام پیش کیا جسے بہت سراہا گیا۔ جگن ناتھ آزاد ہندو پاکستان کے ادبی حلقوں اور شعراء میں ایک خاص اور نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ ان کی وجہ سے اس مشاعرہ میں برطانیہ کے مشہور و معروف شعراء کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ ’جناب ثاقب زیروی کے ساتھ ایک شام‘ کے عنوان سے ایک بین الاقوامی مشاعرہ بھی بزم کے زیر اہتمام منعقد ہوا اور نہایت کامیاب رہا۔ اس مشاعرہ میں برطانیہ بھر سے شعراء نے شرکت کی۔

بقیہ از صفحہ 3: ارشادات حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ

جب جھگڑا ختم ہو گیا تو دوسرے دن ایک شخص نے دیکھا کہ حضرت امام حسنؓ جلدی جلدی کسی طرف جا رہے ہیں۔ اس نے ان سے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ حضرت حسنؓ کہنے لگے کہ مَیں حُسین سے معافی مانگنے چلا ہوں۔ وہ شخص کہنے لگا کہ آپ معافی مانگنے جا رہے ہیں۔ مَیں تو خود اس جھگڑے کے وقت موجود تھا اور میں جانتا ہوں کہ حسین نے آپ کے متعلق سختی سے کام لیا۔ پس یہ ان کا کام ہے کہ وہ آپ سے معافی مانگیں، نہ یہ کہ آپ ان سے معافی مانگنے چلے جا رہے ہیں۔ حضرت حسن نے کہا یہ ٹھیک ہے۔ مَیں اس لئے تو ان سے معافی مانگنے جا رہا ہوں کہ انہوں نے مجھ پر سختی کی تھی کیونکہ ایک صحابی نے مجھے سنایا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا کہ جب دو شخص آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں سے جو پہلے صلح کرتا ہے وہ جنت میں دوسرے سے پانچ سو سال پہلے داخل ہو گا۔ تو میرے دل میں یہ سن کر یہ خیال پیدا ہوا کہ کل میں نے حُسین سے برا بھلا سنا اور انہوں نے مجھ پر سختی کی۔ اب اگر حسین معافی مانگنے کے لئے میرے پاس پہلے پہنچ گئے اور انہوں نے صلح کر لی تو میں تو دونوں جہان سے گیا کہ یہاں بھی مجھ پر سختی ہو گئی اور اگلے جہان میں بھی مَیں پیچھے رہا۔ چنانچہ مَیں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ مجھ پر جو سختی ہو گئی وہ تو ہو گئی اب مَیں اُن سے پہلے معافی مانگ لوں گا تا کہ اس کے بدلہ میں مجھے جنت تو پانچ سو سال پہلے مل جائے۔ پس یہ وہ سوچ ہے جسے ہمیں اپنے پر لاگو کرنا چاہئے۔''

(خطبہ جمعہ فرمودہ مورخہ 12 / فروری 2016ء)

بقیہ از صفحہ 24: محترم میر داؤد احمد صاحب

کے اخلاق حمیدہ کے جو نقوش تھے، وہ انمٹ ہیں۔

اس دوران جامعہ احمدیہ کے ہال میں آپ کی وفات پر جامعہ کے اساتذہ اور طلباء نے ریزولیوشن بھی پاس کیا۔ اس میں صاحب صدر نے طلباء اور اساتذہ کو دعوت دی کہ وہ سٹیج پر آ کر آپ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ طلباء آتے اور خاموش کھڑے رہ کر اپنی آنکھوں کو آنسوؤں سے تر کرتے ہوئے چلے جاتے اور کسی میں بولنے کی کچھ بھی ہمت نہ تھی۔ ہمارے ایک پروفیسر حضرت ماسٹر عطاء محمد صاحب آئے، کیا بتاؤں کہ انہوں نے آپ کی شان میں ایک نظم کہی، جس کا عنوان غالباً ''بلبل'' تھا کہ آپ اس جامعہ کے باغ کی بلبل اور رونق تھے۔ آپ روتے بھی جاتے تھے اور نظم بھی سناتے جاتے۔ اللہ ان کی بھی مغفرت فرمائے۔

الفضل میں آپ کے اوصاف حمیدہ کے بارے میں بہت سے بزرگوں نے مضامین لکھے جو پڑھنے کے قابل ہیں۔ محترم پروفیسر نصیر خان صاحب نے اپنے جذبات کا اظہار ''واہ میر صاحب'' کے عنوان سے کیا۔ اس کا کچھ حصہ یہاں نقل کرتا ہوں کہ مجھے بہت پسند ہے۔

''وہ حق کو حق اور ناحق کو ناحق سمجھنے اور کہنے والے تھے۔ ان کی نیکی کا تصور مثبت تھا۔ اللہ سے ان کی صلح اور شیطان سے ان کی جنگ تھی...... وہ اچھے منتظم سے زیادہ، کہیں زیادہ اچھے انسان تھے۔ خوش خلق، ہمدرد، غمگسار و دوست نواز، ان کا سلیقہ، ان کا رکھ رکھاؤ، ان کی سوجھ بوجھ، ان کا تصور حسن، زندگی سے ان کی محبت کے آئینہ دار ہیں...... ایسے قانع، ایسے بہادر، ایسے نڈر کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ وہ گوشت پوست کے چلتے پھرتے، کھاتے پیتے انسان تھے، ہنسنے ہنسانے والے، اچھی بات پر خوش ہونے والے اور بری بات سے بیزاری کا اظہار کرنے والے۔ مکروہ کو دیکھ کر کراہت کرنے والے اور نجس پر نفرین کرنے والے۔ موجودہ دور کے اخلاقی کوڑھ یعنی منافقت سے انکا دامن پاک تھا۔ اگر وہ خوش تھے تو خوش تھے اگر ناراض تھے تو ناراض۔ انہوں نے ریاء کے بدلے صدق اور وفا کی، محبت کی، ان کی دلداری و غم گساری کی۔ مگر آخر میں اپنی جواناں مرگ سے دوستوں کے دل کا چین چھین لے گئے۔'' (الفضل 28 / اپریل 1973ء)

بہت خوب لکھا اور حق لکھا۔ فجزاہ اللّٰہ احسن الجزاء۔ میرا خدا آپ پر بے انتہا رحمتیں نازل فرمائے اور اپنی مغفرت کی چادر میں آپ کو لپیٹ لے۔

اگرچہ یہ سب چھوٹے چھوٹے واقعات ہیں لیکن میرے لیے ان سب میں سبق پنہاں ہیں۔ ایک عرصہ گزر جانے کے بعد بھی یہ دل پر نقش ہیں کیونکہ آپ کی شخصیت ہی ایسی دلربا تھی، آپ کی باتیں ہی ایسی اثر کرنے والی تھیں کہ کوشش کرنے سے بھی یہ باتیں بھولائی نہیں جا سکتیں۔ آخر میں، میں وہ خط نقل ضرور کرتا جو آپ درجہ شاہد کے دوران تعلیم مکمل کرنے سے متعلق طلباء کو تحریر کرتے تھے۔ لیکن وہ سیرت داؤد میں پہلے سے شائع شدہ ہے۔ (صفحہ 73 تا 76)

محترم میر داؤد صاحب یہ خط خود تحریر کرواتے پھر ان کی نقلیں بنوا کر ہر طالبعلم کا نام لکھ دیتے تھے۔ یہ خط آپ نے 12 / ستمبر 1972ء کو لکھوا کر ہمیں دیا: ''مسلکہ ہدایات علیحدگی میں یکسوئی سے کم از کم تین دفعہ مطالعہ کریں اور انہیں اپنے پاس محفوظ رکھیں اور گاہے گاہے استحضار کیا کریں۔''

محترم میر داؤد احمد صاحب مرحوم کو اس عالم فانی سے رخصت ہوئے قریباً 40 سال کا لمبا عرصہ گزر چکا ہے۔ مگر آپ کی یاد اور آپ کی شخصیت دل میں آج بھی زندہ ہے۔ اور آپ کے ایک نالائق شاگرد کی حیثیت سے آپ کے لئے ہمیشہ دعا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور آپ نے جامعہ کے طلباء کو جو پیغام دیا خدا تعالیٰ مجھے بھی اس پر زندگی کے آخری لمحات تک عمل کرنے کی توفیق دے اور وہ پیغام یہ تھا: ''اسلام کی فتح اور کامیابی کے لیے تمہارے خون کی ضرورت ہے، مجھے امید ہے کہ تم اس کے لئے ہمیشہ تیار اور آمادہ رہو گے۔　　سید داؤد احمد''

خلافت کے ساتھ محبت، اطاعت اور فدائیت کے بارہ میں آپ نے مجلس خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع 1962ء میں یہ فرمایا:

''ہم سب اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک تنظیم کی کڑی میں پروئے گئے ہیں یہ کوئی دنیوی تنظیم نہیں بلکہ خدا کے مقرر کردہ خلیفہ نے ہمیں ایک خاص مقصد کے لئے کھڑا کیا ہے یہ خوش قسمتی اس وقت کسی دوسری قوم یا کسی اور جماعت کو حاصل نہیں۔ اگر ہم اس پر شکر کے سجدے کرتے ہوئے اپنی ناک بھی گھسا دیں تو بھی کم ہو گا اس لئے ہماری ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ حضور کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اور ہر ارشاد کو پورا کرنے کے لئے تیار رہیں۔'' (سیرت داؤد صفحہ 106-107)

حضرت چوہدری نعمت اللہ خان گوہر رضی اللہ عنہ

(عبدالرحمٰن شاکر)

میرے والد حضرت چوہدری نعمت اللہ گوہر صاحبؓ 1880ء میں لدھیانہ کے دُور افتادہ گاؤں ہٹھور میں ایک غریب راجپوت خاندان میں حکیم نتھے خان صاحب کے ہاں پیدا ہوئے۔ 1896ء میں میٹرک کا امتحان جگراؤں کے سکول سے پاس کیا جس پر 15 روپے ماہوار وظیفہ بھی ملا۔ پھر آپ نے مہندر کالج پٹیالہ میں داخلہ لے لیا لیکن کسی غلطی کی وجہ سے امتحان دینے پر پابندی لگا دی گئی۔

کالج کی تعلیم بند ہوگئی تو ریاست پٹیالہ کے وزیر اعظم خلیفہ سید محمد حسن صاحب کے عزیزوں نے ریاست کے محکمہ بندوبست میں سپرنٹنڈنٹ کے طور پر تقرری کروا دی وہاں کسی نے آپ کو مولوی ثناء اللہ صاحب کی کتاب ''الہامات مرزا'' مطالعہ کے لئے دی۔ پڑھ کر بہت حیران ہوئے کہ یہ مرزا صاحب کون ہیں؟ یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام دنیا میں حضرت مہدی علیہ السلام کا انتظار ہو رہا تھا۔ محکمہ بندوبست میں اُن دنوں حضرت منشی عبداللہ صاحب سنوریؓ اور ان کے فرزند منشی رحمت اللہ صاحب پٹواری کے طور پر کام کرتے تھے۔ اُنہوں نے جب اپنے سپرنٹنڈنٹ صاحب کو مرزا صاحب کے بارے میں تفتیش کرتے دیکھا تو ان کو بتایا کہ قادیان ضلع گورداسپور میں ایک بزرگ نے مہدی اور مسیح موعودؑ کا دعویٰ کیا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے مامور کیا ہے۔ ساتھ ہی مطالعہ کے لئے حضرت اقدسؑ کی کتابیں بھی دیں۔ اخبار الحکم ان کے پاس آتا تھا وہ بھی دیا کرتے۔ کیونکہ آپ کے ذہن میں ان کے دادا حکیم خدا بخش صاحب نے ڈالا ہوا تھا مہدی کا ظہور ہونے والا ہے۔ لہٰذا مطالعہ سے آپ کو یقین ہوگیا کہ مہدی قادیان میں مبعوث ہو چکے ہیں۔ چنانچہ آپ منشی عبداللہ صاحب سنوریؓ سے مزید معلومات کے بعد اپنی اہلیہ صاحبہ کو ساتھ لے کر قادیان گئے اور بیعت کر لی۔ آپ کی شادی کے فوراً بعد آپ کی والدہ وفات پا گئی تھیں۔ آپ نے بیعت 1905ء میں کی۔ حضرت اقدسؑ کی صحبت سے اتنا متاثر ہوئے کہ واپس ملازمت پر جانے کا خیال بھی نہ رہا۔ لہٰذا وہ نوکری چھوڑ کر گاؤں آ گئے۔

گاؤں واپس آ کر اپنے دونوں بھائیوں علی محمدؓ اور عطاء محمدؓ کو پیغام سنایا جو اگرچہ کم عمر تھے لیکن بڑے بھائی کی اطاعت میں بذریعہ خط بیعت کر لی۔ اس کے بعد بہن، بہنوئی اور دوسرے رشتہ داروں کو پیغام حق سنایا لیکن ان لوگوں نے قبول نہ کیا لیکن کوئی مخالفت بھی نہ کی۔ ملازمت تو ختم ہو چکی تھی اور گھر کی ذمہ داریوں کا احساس بھی تھا۔ زمین سے واجبی سی فصل آتی تھی جس سے گزارہ مشکل تھا۔ اسی ادھیڑ بن میں ایک اشتہار دیکھا کہ چنیوٹ میں مڈل سکول کے لئے استاد چاہئے۔ آپ نے فوراً درخواست دے دی اور آپ کو منتخب کر لیا گیا۔ یہاں پر آتے ہی ڈھونڈ کر جماعت احمدیہ سے رابطہ کیا اور باقاعدگی سے نمازیں وہاں ادا کرنے لگے۔ شیخ مولا بخش صاحب، حاجی تاج محمود صاحب اور دیگر احمدیوں سے گہرے تعلقات ہو گئے۔ مگر شہر کے متعصب لوگوں نے اس بات کو پسند نہ کیا اور مجبور کیا کہ مستعفی ہو جائیں۔ یہاں سے قریب ہی چک جھمرہ کے پاس ایک چک میں شیعہ گھرانے کے دولڑکوں کو تعلیم دینے کے لئے چلے گئے۔ لیکن طبیعت نہ لگی۔ چنیوٹ میں مخالفت کی وجہ سے قادیان کے لئے تڑپ بڑھ گئی اور آخر کار اکتوبر 1907ء میں قادیان آ گئے۔ ان کا گھر شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب کے مکان کے قریب تھا۔ آپ جب بمعہ اہلیہ صاحبہ 1905ء میں پہلی مرتبہ بغرض بیعت قادیان آئے تو انہی کے گھر مہمان ٹھہرے تھے اس لئے ان سے بڑے گہرے روابط ہوئے۔ آپ نے ستمبر 1906ء کو اپنے چھوٹے بھائیوں علی محمد اور عطاء محمد کو جو بالترتیب ساتویں اور چھٹی جماعت میں تھے قادیان بھجوا دیا تھا اور والدہ کی وفات کے بعد دونوں چھوٹے بھائیوں کی صعوبتیں برداشت کر کے پرورش کرتے رہے۔ علی محمد کو تو B.A.BT کی اعلیٰ تعلیم دلوائی اور ان کو والدین کی کمی کا احساس نہ ہونے دیا۔ علی محمد اپنے بڑے بھائی کے احسان کو زندگی بھر بھلا نہ پائے۔

قادیان میں رہائش کے دوران حضرت اقدسؑ کے بعد آپ زیادہ تر حضرت مولوی حکیم نورالدینؓ صاحب کی قربت میں رہتے تھے۔ ایک دن انہوں نے فرمایا کہ تم تعلیم میں ترقی کیوں نہیں کرتے؟ آپؓ نے امتحان پر پابندی کا سارا ماجرا بیان کر دیا اور رو پڑے۔ حضرت مولوی صاحبؓ نے دلاسہ دیتے ہوئے فرمایا کہ پھر حضرت اقدسؑ سے کیوں نہیں عرض کرتے تا کہ وہ دُعا کریں اور آپ سے پابندی اٹھالی جائے۔ آپؓ نے کہا مجھے شرم آتی ہے، آپ ہی مہربانی فرما کر حضرت اقدسؑ کے حضور میری طرف سے عرض کر دیں۔ جو انہوں نے ازراہ شفقت کر دی۔

جب کچھ دن گزر گئے تو والد صاحب کی بے چینی بڑھ گئی کہ حضورؑ نے کوئی توجہ نہیں فرمائی تو آپ نے ایک نظم بعنوان ''صدائے فقیر'' (جو اخبار الحکم اور بدر میں چھپ چکی ہے۔) کہی اور 26 مارچ 1908ء کو حضرت اقدسؑ کے سامنے مسجد مبارک میں پڑھ کر سنائی۔ اس کے دوسرے شعر پر خوب لطیفہ ہوا۔ شعر تھا۔

کسی طبیب سے جب اپنا دردِ دل نہ تھما
تو آخرش تیرے دارالشفاء میں آئے ہیں

حضرت مولانا حکیم نورالدینؓ صاحب نے سمجھا کہ یہ ان کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ آپ نے کھڑے ہو کر کہہ دیا ''طبیب کو کیوں بیچ میں لپیٹ لیا۔ طبیب نے تو عرض کر دی ہوئی ہے''۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ بھی مسکرا دیئے۔

جب حضرت اقدسؑ اندرون خانہ تشریف لے جانے لگے تو آپ سامنے آ گئے۔ حضورؑ نے جناب مولوی محمد علیؓ صاحب ایم۔ اے کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ آپ گوہر صاحب کے لئے یونیورسٹی کو لکھیں کہ ان کو معاف کر دیا جائے۔ انہوں نے بھی یہ قصہ سنا ہوا تھا کہنے لگے حضور یہ بڑا مشکل امر ہے بلکہ ناممکن ہے کہ معافی ہو جائے۔ حضورؑ نے فرمایا کہ ''آپ لکھیں تو سہی جب خدا آسمان پر معاف کر سکتا ہے بندے زمین پر کیوں معاف نہیں کریں گے''۔

چنانچہ مولوی محمد علیؓ صاحب نے مسجد مبارک کے اس کمرہ میں بیٹھ کر جس میں سرخ سیاہی والا نشان ظاہر ہوا تھا خط لکھا اور سفارش کی کہ ان پر سے پابندی ہٹالی جائے۔ نتیجتاً اگست 1908ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے عہد میں پنجاب

یونیورسٹی سے پابندی اٹھانے کا مراسلہ آ گیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے ابّا جان کے لئے بہت دُعا کی تھی تو ان کو الہام ہوا کہ ''نعمت اللہ گوہر سے کہہ دو کہ اگر بی۔ اے سے اخلاص ہے تو ایف۔ اے کا امتحان دیدے''اسی زمانہ میں آپ نے J.A.V ٹریننگ کالج لاہور سے پاس کرلیا تھا۔

1916ء بطور ٹیچر مڈل مزنگ لاہور میں متعین ہوئے۔ یہاں ایک صاحب جن کا نام خیر دین برق ہیڈ ماسٹر تھے۔ ان کو پیغام حق پہنچاتے تھے کیونکہ وہ عیسائیت کی دلدل میں پھنس کر اپنا نام بھی K.D.Burk لکھنے لگے تھے۔ ان کا بیٹا Samuale Martin Burk والد صاحب کا شاگرد تھا اور پاکستان بننے پر فارن سروس میں چلا گیا اور سفیر کے عہدہ سے ریٹائرمنٹ کے بعد لنڈن میں مستقل رہائش اختیار کرلی تھی ان کی میرے ساتھ خط و کتابت جاری رہی۔

حضرت گوہر صاحبؓ نے یہاں ریاضی کا مضمون رکھ کر ایف۔ اے کا امتحان بغیر تیاری دینا شروع کر دیا تو برق صاحب نے لکھت پڑھت کر کے شرط لگا دی تھی کہ اگر اس طرح تم پاس ہوگئے تو میں مرزا صاحب کی بیعت کرلوں گا اور اگر پاس نہ ہوئے تو تمہاری داڑھی منڈوا دینی ہے۔ آپ کے لئے تو خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی دُعائیں تھیں اور الہام بھی تھا۔ چنانچہ آپ سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہوگئے۔ آپ نے برق صاحب کو کہا چلو اب قادیان تو انہوں نے نہایت عجیب فقرہ کہہ کر جان چھڑا لی کہ ''یار من لیا تیرا مرزا سچا اے''۔

کیونکہ آپ اکثر دعوت الی اللہ کرتے رہتے تھے تو متعصب ہندوؤں نے ایک جھوٹا مقدمہ بنا کر نوکری ختم کروا دی۔ یہاں سے آپ کو اسلامیہ مڈل سکول پونچھ ریاست کشمیر میں ہیڈ ماسٹری مل گئی۔ 120 روپے تنخواہ مقرر ہوئی وہاں آپ 1918ء تا 1919ء رہے۔ وہاں بھی دعوت الی اللہ کی وجہ سے نوکری سے نکلنا پڑا۔ پونچھ سے احمدیہ سکول گھٹیالیاں آئے مگر یہ سکول مالی مشکلات کی وجہ سے نہیں چلتا تھا۔ وہاں سے آپ احمدیہ سکول بہلول پور چک 127 رکھ برانچ آ گئے۔ وہاں سال بھر کے قریب رہے مگر یہ سکول بھی مالی مشکلات کی وجہ سے نہ چل سکا۔ وہاں سے آپ کو اسلامیہ ہائی سکول لائل پور میں جگہ مل گئی لیکن یہاں بھی سٹاف کو دعوت الی اللہ کرنے کی وجہ سے نوکری سے جواب مل گیا۔

جلد ہی ایم بی ہائی سکول گوجرہ میں جگہ مل گئی جہاں 1921ء سے لے کر 1926ء تک خوب کام بھی کیا اور دعوت الی اللہ بھی کی جس کے نتیجہ میں کئی افراد نے احمدیت قبول کی۔ گوجرہ میں آپ کو خیال آیا بی اے کا امتحان دیں۔ سکول سے بغیر رخصت لئے تیاری شروع کر دی۔ سیکنڈ ہیڈ ماسٹر حشمت خان ایم۔ اے نے زور دے کر کہا دو ہندو استادان کو اپنے انگریزی کے مضمون لکھ کر اصلاح لیتے ہیں آپ بھی مجھے اپنے مضامین دکھا لیا کریں۔ تو ابّا جان نے جواب دیا کہ حشمت صاحب مَیں جب لکھنے بیٹھوں گا تو فرشتے میری مدد کریں گے۔ میرے متعلق تو ہمارے بزرگوں کو الہاماً بتایا گیا ہے کہ تم بی۔ اے ہو جاؤ گے۔ وہ کہنے لگے میں ان باتوں کو نہیں مانتا۔ دادا جان نے کہا آپ کو رزلٹ سے معلوم ہو جائے گا۔

چنانچہ ابّا جان نے لاہور جا کر امتحان دیا اور سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہوئے۔ ساتھ ہی Senior Anglo Varnecular (SAV) جو بی ٹی کے برابر ہوتا ہے دے دیا اس میں بھی پاس ہوگئے۔ یعنی B.A., SAV ہوگئے۔ اس طرح آپ نے حضرت مسیح موعودؑ اور خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی دعاؤں سے کامیابی حاصل کی۔

مارچ 1926ء میں شیخ نور الٰہی صاحب انسپکٹر سکولز معائنہ کے لئے آئے۔ معائنہ کے بعد ابّا جان کو ساتھ لے کر ڈاک بنگلے میں چلے گئے۔ وہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب کے کلاس فیلو تھے اور سلسلہ احمدیہ سے خوب واقف تھے۔ کہنے لگے تمہارے میاں صاحب (خلیفۃ المسیح الثانیؓ) نے یہ کفر و اسلام کی جو بحث چھیڑ دی ہے یہ مناسب نہ تھی۔ اس پر ابّا جان نے بحث شروع کر دی جو کہ رات گئے تک جاری رہی۔ انسپکٹر صاحب جاتے ہوئے Log Book میں آپ کے بارے میں لکھ گئے:

"Naimatullah is more fit to be a missionary than a school teacher".

جب یہ ریمارکس سید مہدی شاہ صاحب رئیس اعظم گوجرہ اور سپرنٹنڈنٹ میونسپل کمیٹی نے پڑھے تو ابّا جان کو بلا کر دکھائے اور کہا شیخ صاحب آپ کے بارے میں کیا لکھ گئے ہیں۔ لہٰذا آپ کہیں نوکری کا بندوبست کرلیں۔

وہاں سے آپؓ ڈیرہ اسماعیل خان اسلامیہ ہائی سکول میں بطور سیکنڈ ماسٹر متعین ہوگئے۔ وہاں سے بھی تبدیل کر کے گجرات اسلامیہ ہائی سکول بھجوا دیئے گئے یہاں سے بھی تقریباً ایک سال کے بعد فارغ کر دیئے گئے۔ چنانچہ آپؓ قادیان آ گئے۔

کچھ عرصہ کے بعد نواب جوناگڑھ کے پرائیویٹ سیکرٹری کو اپنے بچوں کے لئے ٹیوٹر کی ضرورت تھی چنانچہ وہاں چلے گئے۔ تنخواہ کے علاوہ کھانا اور رہائش مفت تھی۔ ایک سال وہاں رہے۔ سومنات مندر دیکھا۔ وہ جنگل بھی دیکھا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ یہاں حضرت کرشنؑ سوئے ہوئے تھے کہ کسی نے ہرن سمجھ کر دور سے زہر آلود تیر مارا جس کے اثر سے آپ کا رنگ سانولا ہو گیا۔ واپسی پر جودھ پور میں نواب چوہدری محمد دین صاحب وزیر کے پاس ٹھہرے اور خوب سیر کی۔ دہلی سے ہوتے ہوئے واپس قادیان آ گئے۔

اُنہی دنوں ضلع ہوشیار پور کے ایک گاؤں میں مڈل سکول کی ہیڈ ماسٹری مل گئی وہاں رہ کر آپ نے معرکۃ الاراء کتاب ''تحفۂ ہندو یورپ'' لکھی۔ دسمبر 1928ء کو شائع ہوئی۔ بڑے بڑے صحافیوں نے ریویو لکھے۔ سید سلمان ندوی نے ریویو لکھا مگر تعصب کی وجہ سے بے جا اعتراض بھی کئے۔ جس کے جواب اخبار الفضل میں شائع ہوئے۔ ڈاکٹر اقبال نے لکھا کہ ہمارے نیم بیدار ملک میں اس کتاب کو سمجھنے والے لوگ کم ہیں۔ آپ اس کا ترجمہ انگریزی میں کر کے لنڈن بھجوا دیں۔ چنانچہ ترجمہ لنڈن بھجوایا گیا۔ Luzac & Co. نے اس کا معاوضہ 300 پاؤنڈ ادا کرنا چاہا مگر ابّا جان نے 500 پاؤنڈ کا مطالبہ کیا۔ اس دوران ملکی فسادات شروع ہوگئے اور کرفیو لگ گیا اور قادیان والوں کو کیمپ جانے کا حکم ملا۔ وہ مسودہ گھر میں ہی رہ گیا۔ اگلے دن ابّا جان کے ایک شاگرد ڈاکٹر گوربخش سنگھ نے آپ کو ساتھ لے جا کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔

ہوشیار پور سے آپ کا تبادلہ نور پور ضلع کانگڑہ کے ہائی سکول میں ہو گیا۔ دسویں جماعت کو انگریزی پڑھایا کرتے تھے۔ وہاں ہیڈ ماسٹر ہندوؤں کے ایک جدید فرقہ رادھا سوامی (جس کا ہیڈ کوارٹر دیال باغ آگرہ تھا) کا ممبر تھا اس کو پیغام حق پہنچانے کے نتیجہ میں آپ کا تبادلہ نواب صاحب مدوٹ (ضلع فیروز پور) کے مڈل

سکول میں بطور ہیڈ ماسٹر ہو گیا۔ نواب قدردان تھے۔ ان کے ساتھ بہت گہرے روابط ہو گئے۔ متعصب نہ تھے۔ لہٰذا ان کی وساطت سے تبلیغ کے مواقع ملتے رہے۔

یہاں آپ کو اللہ تعالیٰ نے دوسرا بیٹا وسیم احمد 1931-11-23 کو عطا کیا۔ وسیم احمد گریجوایشن کر کے ریلوے میں سپورٹس مین کی بنیاد پر ملازمت کرتے رہے۔ ریلوے کی طرف سے ''اے'' کلاس ہاکی کھیلی اور خوب نام کمایا۔ تمام بڑے اخبارات میں ان کی سٹیک ورک کے بارے میں کالم چھپتے رہے۔ 1958ء میں پاکستان ہاکی فیڈریشن کی ٹیم کی نمائندگی کرتے ہوئے تمام پاکستان کا دورہ کیا۔ جس کی بنیاد پر 1960 کی پاکستانی ٹیم برائے اولمپک (33) تینتیس کھلاڑیوں کے کیمپ کے لئے چنے گئے۔ لیکن فائنل ٹیم میں سیلیکٹ نہ ہو سکے۔ ورنہ یہ پہلے احمدی ہاکی اولمپین گولڈ میڈلسٹ ہوتے اس سال ریلوے کے سووینیئر میگزین میں آپ کی تصویر میں لکھا: Unlucky Waseem who could not be selected in Pakistan Hockey Team for Olympic. اس کے بعد آپ نے M.Ed کر کے کالج میں ملازمت شروع کردی آپ ریٹائرڈ پروفیسر کی حیثیت سے کراچی میں مقیم ہوئے اور اب امریکہ میں رہائش پذیر ہیں۔

1935ء میں ابا جان ڈسٹرکٹ بورڈ کی ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ پراویڈنٹ کی قلیل رقم ملی جس سے ایک مکان دارالبرکات قادیان میں بنا کر رہائش اختیار کرلی۔ ملازمت کے دوران تمام آمدنی معمولی رقم گھر کے لئے رکھ کر چندہ ادا کرتے یا دعوت الی اللہ میں خرچ کرتے۔ آپ اشتہارات اور پمفلٹ کے ذریعہ بھی پیغام حق لوگوں تک پہنچاتے رہے۔

1939ء میں جنگ عظیم دوم شروع ہوئی تو آپ بطور Civillian Teacher فوج میں بھرتی ہو گئے۔ انگریز افسروں کو اردو پڑھانا ہوتا تھا۔ 300 روپے ماہانہ تنخواہ۔ راشن اور وردی مفت ملتی تھی۔ جالندھر اور فیروز پور چھاؤنیوں میں رہے۔ 1945ء میں جنگ بند ہوئی تو واپس قادیان آ گئے۔

تقسیم ملک کے وقت بھرا ہوا گھر چھوڑ کر رات کے ایک بجے اندھیرے میں نکلنا پڑا اور تمام کتب خانہ بھی چھوڑا جو عمر بھر کی کمائی تھی۔ معمولی کتابوں سے لے کر صحاح ستہ تک مکمل تھیں۔ قرآن مجید کے تمام انگریزی تراجم، نایاب بائبل کے مختلف ایڈیشن وغیرہ وہیں رہ گئے۔ کچھ عرصہ کھاریاں کے ہائی سکول میں ملازمت کی۔ گجرات میں سسرال والوں نے ریلوے اسٹیشن کے قریب نہایت عمدہ وسیع مکان الاٹ کرا دیا۔ مگر وہاں دل نہ لگا اور لاہور آ کر سنت نگر میں دیو سماج ہوسٹل کے ایک تنگ و تاریک کمرہ میں رہے اس واسطے کہ وہاں سے پنجاب لائبریری کوئی دو فرلانگ پر تھی۔ سارا دن وہاں گزارتے اور اپنی علمی ادبی پیاس بجھاتے رہے۔

آخر 11 جولائی 1955ء کو چند روز بیمار رہ کر انتقال کیا۔ مہاشہ فضل حسین صاحب اور ملک عبداللطیف ستکوہی صاحب تاجر کاغذ نے بہت امداد دی اور سانده (میانی صاحب) کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

جس دن ابا جان فوت ہوئے میں نے خواب دیکھا کہ تین آدمی ہیں درمیان میں ابا جان ہیں اور دونوں طرف دو آدمی ہیں جن کو والد صاحب سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے دوست ہیں۔ مگر وہ اندھیرے میں تھے۔ ابا جان نے شاندار سفید پگڑی باندھی ہوئی ہے اور ان پر تیز روشنی پڑ رہی ہے۔ آواز آتی ہے کہ ''یہ لوگ Graduate ہو گئے ہیں'' خاکسار حیران ہوا کہ یہ کیا آواز ہے۔ دوبارہ بڑی رعب دار آواز آئی ہے کہ یہ لوگ Graduate ہو گئے ہیں۔ بڑا زور دے کر کہا گیا۔ میں گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور یہ وقت تہجد کا تھا۔ خاکسار نے تہجد پڑھی اور دعا کی کہ خیریت ہو۔

صبح دفتر گئے تو آگے تار آئی ہوئی تھی کہ ابا جان (نعمت اللہ گوہر صاحب) فوت ہو گئے ہیں لاہور جانے کے لئے جب گھر سے نکلا تو ماسٹر شیر علی صاحب ملے۔ پوچھنے لگے کہاں جا رہے ہو تو آپ نے بتایا کہ والد صاحب وفات پا گئے ہیں۔ وہ کہنے لگے ان کی وفات کے متعلق کوئی خواب نہیں آیا۔ آپ نے خواب سنا۔ اور Graduate کے معنی سمجھائے کہ ڈگری ہولڈر یا سند یافتہ۔ پھر ماسٹر شیر علی صاحب کہنے لگے پنجابی میں اس کو کہتے ہیں ''پگ گئے'' یعنی کامیاب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غریق رحمت کرے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے آمین۔ آپ کی وفات پر آپ کے بھتیجے محترم عبدالسلام اختر (مرحوم) صاحب نے ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے مندرجہ ذیل اشعار مرقوم کئے:

آہ ہمارے تایا گوہر مرحوم

اشکبار آنکھیں ہیں اختر دل بہت بے تاب آج
یاد آتا ہے مجھے اک ''گوہر نایاب'' آج
آہ وہ گوہر وہ جانِ علم بحر بیکراں
وہ متاعِ دین و دانش، رفعتِ کون و مکاں
علم وحکمت کا خزینہ، علم و عرفاں کی کتاب
حسن و خوبی کا صدف، صدق و صفا کا آفتاب
کون ہے آج اِس جہاں میں ہم نشیں! مجھ کو بتا
جانِ استغنا، غرورِ اہل دین، حق آشنا!
جس کی خودداری کے آگے عظمت شاہی نگوں
جس نے اپنی ٹھوکروں پر وار دی دنیائے دوں
دوستوں کی بے رُخی، اہل تمدّن کے چلن!
اہلِ زر کی شہر یاری! سُود و سودا، مکروفن!!
کشتیِ عمرِ رواں گرداب میں چلتی رہی
یعنی شمعِ زیست طوفانوں میں بھی جلتی رہی
سینہ ہستی میں کیسے پیچ و تاب آتے رہے
کون جانے اُس پہ کیسے انقلاب آتے رہے
قصۂ محرومی دل حشر تک تڑپائے گا
اس زمانے میں نظیر اُسکا کہاں سے لائے گا؟

غرضیکہ ابا جان نے بیعت کرنے کے بعد اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا تبلیغ کو بنالیا۔ ساری ملازمت کے دوران آنریری 'داعی' کے طور پر کام کیا۔ اپنی تمام آمدنی اسی کام میں خرچ کی اور خود نہایت سادہ زندگی گزاری۔ پسماندگان کے لئے کوئی دنیاوی سامان نہیں چھوڑا۔ آپ کی قربانی کے نتیجہ میں آپ کی اولاد کو سب سے بڑی نعمت ''احمدیت'' عطا ہوئی اور تمام دنیاوی آسائشوں سے بھی مالا مال ہوئے۔

آپؓ کی پہلی شادی حضرت رحمت بی بی صاحبہؓ (بیعت 1905ء) سے ہوئی۔ وہ عبادت گزار اور دُعا گو تھیں۔ سچے خواب بکثرت آتے تھے اور وہ بہت جلد

پورے بھی ہو جایا کرتے تھے۔ان کی وفات 28 دسمبر 1918ء کو ہوئی اور بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں۔ان کے بطن سے خاکسار کے علاوہ تین دیگر بیٹے (جو پیدائش کے بعد جلد ہی فوت ہو جاتے رہے) اور دو بیٹیاں شامل ہیں۔

حضرت والد صاحبؓ کی دوسری شادی مکرمہ فیروزہ بیگم بنت ملک محمد رمضان ککے زئی سکنہ گجرات سے ہوئی۔یہ بھی بہت عبادت گزار اور دعا گو تھیں۔ان سے دو بچے پیدا ہوئے۔ایک بیٹا چند ماہ کا ہو کر فوت ہو گیا جبکہ دوسرے مکرم وسیم احمد صاحب ایم اے، ریٹائرڈ لیکچرار گورنمنٹ کالج حافظ آباد ہیں۔

☆☆☆

روایات چودھری نعمت اللہؓ صاحب گوہر (بیعت 1905ء)

(زیارت مارچ، اپریل 1907ء سکنہ ہٹھور ضلع لدھیانہ رجسٹر روایات 11)

آپ فرماتے ہیں کہ جن دنوں لیکھرام کا واقعہ ہوا ان دنوں میں کالبٹ کالج پٹیالہ میں میٹرک کی جماعت میں تعلیم پاتا تھا۔کہ یکایک لیکھرام کے قتل کی خبر بجلی کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی۔میرے بعض ہم جماعت احمدی بھی تھے۔جو کہ پٹیالہ اور سنور کے رہنے والے تھے۔انہوں نے بیان کیا کہ حضرت مرزا صاحب کی پیشگوئی در بارہ لیکھرام آج پوری ہوگئی ہے۔اس سے ہم کو پہلی مرتبہ پتہ لگا کہ مرزا صاحب نے لیکھرام کے بارہ میں پیشگوئی کر رکھی تھی۔میں بورڈنگ ہاؤس میں رہتا تھا۔وہاں آریوں کے بعض لڑکے بھی تعلیم پاتے تھے۔اُن پر اِس واقعہ کا بہت اثر ہوا۔اور عموماً اہل ہنود پر اِس پیشگوئی کی بہت ہیبت چھائی ہوئی تھی۔البتہ آریوں کی زبانی یہ بات سُننے میں آئی کہ لیکھرام کو مسلمانوں نے قتل کرا دیا ہے۔اس کے بعد مجھے اور زیادہ دلچسپی پیدا ہوگئی۔

میرے چیمبر فیلو عنایت علی صاحب تھے جو اب سلسلہ احمدیہ میں شامل ہیں۔وہ میرے کلاس فیلو بھی تھے۔ہم رات کے وقت بڑے شوق و ذوق کے ساتھ ''براہین احمدیہ'' اور حضرت مسیح موعودؑ کی دوسری کتب بھی پڑھا کرتے تھے۔ایک ہمارے دوست مرزا عزیز بیگ صاحب ساکن سامانہ لیکھرام کی پیشگوئی پوری ہونے کے بعد قادیان آکر بیعت کر گئے تھے۔اس سے بورڈنگ ہاؤس میں چرچا ہونے لگا تھا۔ہم دونوں کو بوجہ غفلت چند سال تک بیعت کرنے کا خیال پیدا نہ ہوا۔میٹرک پاس کرنے کے بعد میں نے اور عنایت علی نے سکول چھوڑ دیا تھا۔اور اتفاق کے ساتھ ہم دونوں محکمہ بندوبست ریاست پٹیالہ تحصیل سرہند کے اندر ملازم ہو گئے۔وہیں مولوی عبداللہ سنوری صاحب بھی تھے۔فیلڈ کا کام ختم ہونے کے بعد سارا عملہ قصبہ بسی میں جمع ہو گیا۔اور کاغذات کے تکمیل کا کام شروع ہو گیا۔کئی سو آدمی ایک ہی جگہ بیٹھ کر ایک ہی وقت میں کام کرتے تھے۔اُن دنوں مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ کی بیماری اور وفات کے واقعات یکے بعد دیگرے ظہور میں آئے۔قادیان کے اخبار اور رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' وہاں احمدیوں کے پاس آتے تھے۔اُن دوستوں کے ذریعے میں بھی اخبار و رسالہ پڑھا کرتا تھا۔مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ کے متعلق حضرت مرزا صاحب کا سب سے پہلے الہام فَزِعَ عِیْسٰی مَنْ مَعَہٗ میں نے اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے ہوئے دیکھا کیونکہ اس الہام کے مطابق حضرت مولوی صاحب وفات پا گئے۔اور حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے صحابہ کو بہت رنج ہوا تھا۔اسی اثناء میں منشی محمد علی سنوری صاحب نے مجھے ''تریاق القلوب'' پڑھنے کے لئے دی جو میں نے خود بھی پڑھی اور ایک دوست نیاز احمد خان صاحب کو، جو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تھے، سنائی۔اس کتاب کو پڑھ کر میں تو پورا پورا سلسلہ سے متفق ہو گیا۔چند روز کے بعد مولوی عبداللہ سنوری صاحبؓ قادیان آنے کے لئے تیار ہوئے اور اُنہوں نے مجھے بھی ساتھ چلنے کے لئے کہا۔لیکن میرے پاس اتنا خرچ نہیں تھا کہ مَیں بھی قادیان آنے کا عزم کرتا۔لہٰذا میں نے اس کام کو دوسرے وقت پر مُلتوی کر دیا۔اس واقعہ کے چند ماہ کے بعد میری طبیعت دنیا سے اُچاٹ ہو گئی اور میں نے بندوبست کی نوکری چھوڑ دی اور اپنے گھر چلا آیا۔

اس کے بعد اپریل 1907ء میں پختہ ارادہ کیا کہ اس دفعہ ضرور قادیان جانا چاہئے۔اُس وقت میں اسلامیہ سکول چنیوٹ میں ہیڈ ماسٹر تھا۔وہاں طاعون پڑ گئی اور سکول بند ہو گیا۔میں اپنی بیوی کو ہمراہ لے کر قادیان آ گیا۔یہاں میرا کوئی واقف نہ تھا۔قادیان میں شیخ یعقوب علیؓ صاحب عرفانی کے ہاں ہم آکر ٹھہرے کیونکہ ان کے خاندان کے ساتھ ہمارے پرانے تعلقات تھے۔شیخ صاحب کے ساتھ غائبانہ تعارف تھا۔بیعت یہاں آنے سے قبل میں نے بذریعہ خط کر لی ہوئی تھی۔دستی بیعت کرنا باقی تھی۔شیخ صاحب نے مجھے مولوی محمد علی صاحب اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے ساتھ متعارف کروایا۔حضرت مولوی شیر علیؓ صاحب کے ساتھ بھی دو تین دن صحبت رہنے کے بعد دستی بیعت کرنے کے ارادہ سے مسجد مبارک میں گیا۔حضرت مسیح موعودؑ ظہر کی نماز کے وقت گھر سے کھڑکی کی راہ سے نکل کر مسجد میں داخل ہوئے۔میں نے جب آپ کی صورت مبارک دیکھی تو میں بہت خوش ہوا مگر آپ کا قد میرے اندازے کے مطابق نہ تھا۔حضورؑ مسجد میں مصلّی پر آکر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر تشریف فرما ہو گئے۔آپ کے پاس مولوی محمد علی، مولوی محمد احسن امروہیؓ صاحب اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔میں بھی اُن کے پاس ہی آکے بیٹھ گیا۔حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے دعوٰی کے متعلق گفتگو شروع کی۔اس کے دوران میں آپ نے فرمایا کہ اگر مَیں نے افتراء کرنا ہوتا تو میں ''براہین احمدیہ'' میں یہ کیوں لکھتا کہ عیسٰیؑ آسمان سے نازل ہوں گے۔پھر آپ نے اپنی پیشگوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ محمود (حضرت خلیفہ ثانیؓ) جب پیدا ہوا تو اس کا نام مجھے اس مسجد کی دیوار پر لکھا ہوا دکھایا گیا تھا۔اس کے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ بیعت کرنے والے آگے آجائیں۔میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ بیعت کے وقت میرا ہاتھ حضورؑ کے ہاتھ میں ہو۔چنانچہ میری یہ تمنّا پوری ہو گئی۔سب سے پہلے حضرت مسیح موعودؑ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور کلمہ شہادت پڑھا جسے ہم نے دُہرایا۔اس کے بعد رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ اَعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ تین مرتبہ پڑھا۔جو الفاظ حضورؑ بیعت لیتے وقت پڑھا کرتے تھے ہم نے دہرائے۔پھر اس کے بعد ترجمہ اُردو کہلواتے تھے کہ اے میرے ربّ میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں تو میرے گناہ بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں۔اس کے بعد حاضرین سمیت ہاتھ اٹھا کر لمبی دُعا فرمائی۔مَیں نے قادیان میں قریباً دو ہفتے قیام کیا پھر نومبر 1907ء میں بمعہ اپنے دونوں بھائیوں اور بیوی کے پورا مہاجر بن کر اور ہجرت کا عزم بالجزم کرتے ہوئے قادیان آ گیا۔

شہید احمدیت...... برادرم ماسٹر عبدالقدوس صاحب

(عبادہ عبداللّطیف)

یہ امر واقعہ ہے کہ اس دنیا میں آنے والے ہر فانی شخص کے لئے یہی مقدّر ہے کہ وہ چند دہائیاں یا ایک معیّن عرصہ، سطح زمین پر گزار کر پھر اپنے مالک حقیقی کی طرف لَوٹ جائے اور اس عارضی زندگی میں پیش آمدہ حالات اور کئے جانے والے اعمال و افعال کے نتائج کا سامنا کرے۔ بے شک ہر انسان کی نجات محض خدا تعالیٰ کے فضل سے ہی ممکن ہے۔ پس کیا ہی خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہیں خدا تعالیٰ نے اسی دنیا میں ایک کامیاب انجام کی خوشخبری عطا فرما دی گویا اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ جاری فرما دیا۔ چنانچہ شہادت کے عظیم مرتبہ کو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں جس طرح محبت کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور شہید کے لئے اپنے پیار کا اظہار جن الفاظ میں فرمادیا ہے اُس کی وجہ سے جب کسی احمدی بھائی کی شہادت کا ذکر چلتا ہے تو قلب و نظر میں سوگوار احساسات کے ساتھ ساتھ تسکین اور انبساط کی لہریں بھی موجزن نظر آتی ہیں۔ ایسا ہی اُس وقت بھی ہوا جب چند سال قبل ہمارے ایک پیارے بھائی اور عزیز دوست محترم ماسٹر عبدالقدوس صاحب نے بدترین تشدّد کے باوجود اپنا سر جھکانے کی بجائے خدا تعالیٰ کے دین کی خاطر کٹوانا پسند کرلیا۔

اردو زبان کے عظیم شاعر اسداللہ خان غالبؔ نے تو نہ جانے کیا سوچتے ہوئے یہ خوبصورت شعر کہا تھا کہ

جان دی ، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

تاہم ایک احمدی شہید کے حوالہ سے اس شعر کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی متاعِ عزیز یعنی جان جیسی محبوب چیز بھی اپنے محبوب حقیقی کے حضور پیش کردیتا ہے تو چونکہ اُس کو یہ سعادت اسی بنا پر ملی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے یہ زندگی اپنے فضل سے ہی عطا فرمائی تھی اور اُس کو اس قربانی کو پیش کرنے کے اس طرح بھی قابل بنایا تھا کہ نہ صرف اُسے جسمانی طور پر طاقتیں عطا کی تھیں بلکہ ذہنی طور پر بھی وہ شعور بخشا تھا کہ وہ اپنی جان کی قربانی پیش کرتے ہوئے اس یقین محکم پر قائم رہا کہ اُس کی یہ قربانی ضائع نہیں جائے گی بلکہ اپنی ذات میں نمو پاکر ایسے ثمرات پیدا کرے گی جن کی لذّت اور شیرینی سے نہ صرف اُس کی روح بلکہ اس دنیا میں آنے والی آئندہ نسلیں بھی لطف اندوز ہوسکیں گی اور یہ بھی کہ اس کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ کی عظیم الشان عمارت کی بنیادیں بھی ناقابلِ تسخیر حد تک مضبوط ہوتی چلی جائیں گی اور ان بنیادوں پر قائم عمارت مزید بلندیاں حاصل کرتی چلی جائے گی۔

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے برادرم عبدالقدوس صاحب کی دردناک شہادت کا تفصیل سے ذکر اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 6؍اپریل 2012ء میں فرمایا اور ہمارے اس پیارے بھائی کو نہایت پیار سے خدا تعالیٰ کے سپرد فرماتے ہوئے اُس کے سفّاک قاتلوں کا معاملہ بھی خدا تعالیٰ کی تقدیر کے حوالے کردیا۔

پیارے آقا ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشادات کا خلاصہ کچھ یوں تھا کہ ربوہ کے پولیس اہلکاروں نے ہمارے اس انتہائی مخلص اور فدائی احمدی کو ایک ماہ کے قریب بغیر کسی قسم کا کیس رجسٹرڈ کئے تھانہ میں رکھا اور پھر کسی نامعلوم جگہ لے جاکر آٹھ دس دن تک شدید تشدد کا نشانہ بنایا جس کے نتیجے میں عبدالقدوس صاحب، صبر و استقامت سے یہ ٹارچر اور اذیت برداشت کرتے ہوئے، اپنے خدا کے حضور حاضر ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضور انور نے شہادت کے اس واقعہ کا پس منظر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ربوہ کے محلّہ نصرت آباد کے رہائشی ایک شخص احمد یوسف اسٹام فروش کو کسی نے قتل کردیا اور پولیس نے مقتول کے بیٹے کے ایماء پر مختلف احباب کو مختلف اوقات میں شک کی بنا پر گرفتار کرکے شاملِ تفتیش رکھا اور بعد میں ان تمام احباب کو بے گناہ کرکے چھوڑ دیا گیا۔ اسی سلسلہ میں مدّعی کی طرف سے محلّہ کے صدر ماسٹر عبدالقدوس صاحب شہید کا نام بھی لیا گیا تھا جس پر پولیس نے اُنہیں بھی تھانہ بلایا۔ پھر مدّعی نے ماسٹر عبدالقدوس صاحب کو بغیر کسی وجہ کے اِس کیس میں نامزد کردیا تو پولیس نے ماسٹر صاحب کو 10؍فروری کو مغرب کی نماز کے وقت مسجد میں آکے گرفتار کرلیا۔ پکڑ کے تو لے گئی لیکن باقاعدہ پرچہ نہیں کاٹا اور گرفتاری بھی نہیں ڈالی۔ رابطہ کرنے پر پولیس افسران مسلسل یہی کہتے رہے کہ ہم جانتے ہیں یہ بھی بے گناہ ہے۔ جلد ہی معاملہ کلیئر (clear) ہوجائے گا، بعض مجبوریاں ہیں اس لئے ہم نے پکڑا ہوا ہے۔ اسی دوران 17؍مارچ کو ماسٹر عبدالقدوس صاحب کو پولیس نے تھانہ ربوہ سے کسی نامعلوم جگہ پر منتقل کردیا۔ اُن کو غائب کرنے کے کوئی دس دن کے بعد 26؍مارچ کو پولیس اُنہیں تھانہ میں واپس لے آئی اور ماسٹر صاحب کے ایک دوست کو فون کر کے کہا کہ اپنا بندہ آکے لے جاؤ۔ جس پر وہ دوست وہاں گئے تو پولیس نے اُس دوست سے ایک سادہ کاغذ پر دستخط بھی لے لئے کہ ان کو مَیں واپس لے کر جارہا ہوں اور ماسٹر صاحب کو اُن کے حوالے کردیا۔ کیونکہ ماسٹر عبدالقدوس صاحب کی حالت ٹھیک نہیں تھی اس لئے وہ دوست اُنہیں فوری طور پر وہاں سے ہسپتال لے گئے جہاں جاکے پھر پتہ لگا کہ پولیس نے غائب کرنے کے ابتدائی دو تین دن میں ماسٹر صاحب پر بہت زیادہ تشدد کیا جس کی وجہ سے اُن کی حالت خراب ہوگئی۔ اُنہیں پاخانے میں بھی خون آتا رہا، خون کی اُلٹیاں بھی آتی رہیں، اسی طرح ان کے گردوں پر بھی کافی اثر ہوا۔ ویسے ہوش میں تھے لیکن اندرونی طور پر انتہائی شدید چوٹیں آئی تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ 17؍مارچ کو رات کے اندھیرے میں اُنہیں کچھ پولیس اہلکار تھانہ ربوہ سے پانچ چھ گھنٹے کی ڈرائیو کے فاصلہ پر ایک نامعلوم مقام پر لے گئے اور انتہائی تشدّد کیا۔ بالکل ویران جگہ تھی۔ پولیس والے اُنہیں مار مار کے یہ کہتے رہے کہ کسی عہدیدار کا نام بتاؤ جو اس قتل میں ملوث ہے۔ نام بتادو تو تمہیں چھوڑ دیں گے، اُس کو پکڑ لیں گے۔ اور ایک کاغذ پر دستخط کروانے کی کوشش کرتے رہے۔ انہوں نے بعض ناظران کے نام بھی لئے، اَوروں کے نام بھی لئے۔ ماسٹر صاحب نے دستخط نہیں کئے۔ جب تشدّد کرتے تھے تو پولیس والے کہتے تھے کہ پہلی بار کوئی جماعتی عہدیدار ہاتھ لگا ہے، پہلے تو یہ چھوٹ جایا کرتے تھے۔ تشدّد کرتے ہوئے یہ اہلکار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفاء کے نام

لے کر جماعت کے خلاف بھی شدید بدزبانی کرتے رہے۔

تشدّد کے نتیجے میں ماسٹر عبدالقدوس صاحب کی حالت بہت خراب ہوگئی جس پر پولیس والوں نے تشدّد روک دیا۔ اُنہیں کچھ دوائیاں وغیرہ دیں۔ جب ان کی حالت قدرے بہتر ہوئی تو پولیس اُنہیں پھر تھانہ واپس لے آئی اور اُن کے دوست کے حوالے کر دیا جو انہیں ہسپتال لے آئے۔ ماسٹر عبدالقدوس صاحب کو فضل عمر ہسپتال میں ICU میں رکھا گیا۔ مسلسل خون کی بوتلیں لگائی گئیں تو ان کی الٹیاں رک گئیں۔ لیکن شہادت سے ایک روز قبل 29/ مارچ کو ایک دو روز کے وقفے کے بعد دوبارہ خون کی الٹیاں آئیں اور ان کی حالت دوبارہ زیادہ بگڑ گئی۔ پھیپھڑے بھی متاثر ہوگئے جس کی وجہ سے 30/ مارچ کو بے ہوش ہوگئے اور اُسی حالت میں اُن کی وفات ہوگئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ پولیس کا جو تشدد تھا، اُس کی اندرونی چوٹوں کی وجہ سے بہرحال یہ جانبر نہ ہوسکے اور شہادت کا رُتبہ پایا۔

حضور انور نے فرمایا کہ عبدالقدوس صاحب نے شہادت سے قبل بتایا کہ پولیس والوں کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا کہ یہ تمہارا بیان ہے اس پر دستخط کردو۔ اُس میں لکھا تھا کہ جو قتل ہوا ہے اُس میں ربوہ کی مرکزی انجمن اور صدر عمومی وغیرہ کے یہ یہ لوگ ملوّث ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم یہ دستخط کردو تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔ کہتے ہیں مَیں نے دستخط کرنے سے انکار کردیا کہ یہ میرا بیان ہی نہیں ہے اور ایسا ہوا بھی نہیں ہے۔ تو پھر انہوں نے مجھے دھمکیاں دیں کہ خود دستخط کردو تو بچ جاؤ گے، ورنہ ہم تو تم سے اُگلوالیں گے۔ ماسٹر صاحب کے دو دفعہ انکار کے بعد مسلسل اُن پر تشدد کرتے رہے اور اپنا مطالبہ دہراتے رہے۔ اور تشدد کے مختلف طریقے تھے۔ لکڑی کا ایک رُولا ہوتا ہے، جو بڑا سارا اور کافی وزنی ہوتا ہے، وہ لٹا کے جسم پر پھیرا جاتا ہے۔ رسّہ باندھ کر گھسیٹتے رہے۔ اس کے علاوہ مسلسل جگائے رکھا اور جب آنکھ بند ہونے لگتی تو حوالات سے باہر نکال کے مارنا شروع کر دیتے۔ ایک دفعہ طبیعت خراب ہوئی تو پھر کچھ انجکشن لگوائے، کچھ دوائیاں دیں، پھر طبیعت سنبھلی تو پھر تشدّد کرنے لگ گئے۔ بزرگوں کو غلیظ گالیاں دیتے تھے۔ کہتے ہیں مجھے گالیاں سُن کے بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ مار تو برداشت ہو رہی تھی لیکن گالیاں سننا مشکل تھا۔ کھانا بھی کبھی کبھار دیتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ایسا تشدد اور ظلم کبھی نہ مَیں نے سنا اور نہ کبھی دیکھا ہے۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ مَیں برداشت کرسکتا۔ مَیں دعائیں کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے تشدّد سہنے کی، برداشت کرنے کی ہمت دے اور اللہ تعالیٰ نے پھر اپنے فضل سے ہمت دی کہ وہ اُس کو برداشت کرسکے۔ صدر عمومی صاحب نے شہید مرحوم کو کہا کہ انہوں نے اتنا کچھ تشدد کیا ہے، کچھ تو آپ سے لکھوالیا ہوگا؟ تو انہوں نے بڑے جذباتی انداز میں کہا کہ وہ تو مجھ سے ایک نکتہ بھی نہیں ڈلوا سکے۔

برادرم عبدالقدوس شہید کے عزم و ہمّت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے پیارے آقا نے فرمایا کہ پس یہ ہے ایمان کو سلامت رکھنے والے اور سچائی پر قائم رہنے والے کی کہانی۔ اس عزم اور ہمت کے پیکر نے جان دے دی مگر جھوٹی گواہی نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ کو بھی شرک کے برابر قرار دیا ہے۔ پس اس عظیم شہید نے ہمیں جہاں بہت سے سبق دیئے وہاں یہ سبق بھی دیا جو جماعت احمدیہ کے قیام کی بنیادی غرض ہے کہ توحید کے قیام کے لئے اپنی جان کی بھی کچھ پرواہ نہیں کرنی کیونکہ جھوٹ بھی شرک کے برابر ہے اور ہمارے سے شرک نہیں ہوسکتا۔

حضور انور نے فرمایا کہ شہید مرحوم نے اپنے عہدِ بیعت کو بھی خوب نبھایا۔ شہید مرحوم اگر اذیت کی وجہ سے پولیس کی من پسند سٹیٹمنٹ دے دیتے تو اس کے نتائج جماعت کے لئے مجموعی طور پر بھی بہت خطرناک ہوسکتے تھے۔ قتل کے جھوٹے مقدمے میں مرکزی عہدیداران کو گرفتار کرنا تھا۔ مرکزی دفاتر پر پابندی ہوسکتی تھی۔ جماعت کی امن پسندی کی تعلیم اور کوششوں کو بدنام کرنے کی کوشش ہوسکتی تھی۔ نہ صرف ملکی طور پر بلکہ بین الاقوامی طور پر بھی جماعت کو نقصان پہنچتا۔ بہرحال انہوں نے ایک مکر کرنے کی کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے مخلص کے ذریعہ جو عام زندگی میں انتہائی نرم دل تھا، جس کو اس قسم کی سختیوں کا تصور بھی نہیں تھا، اُس کے ذریعے سے ان کے مکر کو توڑا اور وہ ان کے جھوٹوں اور مکروں کے سامنے ایک مضبوط چٹان کی طرح کھڑا ہوگیا اور جماعت پر آنچ نہیں آنے دی۔ پس اے قدوس! ہم تجھے سلام کرتے ہیں کہ تُو نے اپنے آپ کو انتہائی اذیت میں ڈالنا تو گوارا کرلیا لیکن جماعت کی عزت پر حرف نہیں آنے دیا۔ تُو نے اپنی جان دے کر جماعت کو ایک بہت بڑے فتنے سے بچالیا۔

ہمارے شہید بھائی کے غیر معمولی مقام کا تذکرہ کرتے ہوئے حضور انور نے فرمایا کہ ماسٹر عبدالقدوس ایک عام شہید نہیں ہیں بلکہ شہداء میں بھی ان کا بڑا مقام ہے۔ اس عارضی دنیا سے تو ایک دن سب نے رخصت ہونا ہے، لیکن خوش قسمت ہیں ماسٹر عبدالقدوس صاحب جن کو خدا تعالیٰ نے زندہ کہا ہے اور وہ ایسے رزق کے پانے والے بن گئے ہیں جو دنیاوی رزقوں سے بہت اعلیٰ وارفع ہے۔ جس جماعت اور جس مقصد کی خاطر انہوں نے قربانی دی ہے اُس کے بارہ میں حقیقی خوشخبریوں کا پتہ تو اُنہیں اُس جہان میں جا کر چلا ہوگا۔ لیکن شہید مرحوم ہمیں جو سبق دے گئے ہیں ہمیں اُسے ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے، پس جیسے بھی حالات گزر جائیں اللہ تعالیٰ کا دامن نہ چھوڑنا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ دنیا والے تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اگر اللہ تعالیٰ سے تمہارا مضبوط تعلق ہے۔

اس شہادت سے ہم احمدیوں کو کیا سبق حاصل کرنا چاہئے! اس حوالہ سے حضور انور نے فرمایا کہ شہید مرحوم پاکستان کے احمدیوں اور بالخصوص اہلِ ربوہ کے لئے یہ پیغام بھی چھوڑ کر گئے ہیں کہ قانون کا احترام اور حکومتی کارندوں کا احترام بیشک ہر احمدی کا فرض ہے لیکن کسی بھی انسان سے چاہے وہ کتنا ہی بڑا پولیس اہلکار ہو یا افسر ہو، خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ چاہے جو ظلم بھی وہ ہم پر روا رکھے ایک احمدی کو اگر خوف ہونا چاہئے تو صرف ایک ہستی کا، اور وہ خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ پس ہر شہادت ہر قربانی ہمارے ایمان میں ترقی کا باعث بننی چاہئے اور پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل انشاء اللہ تعالیٰ کس طرح نازل ہوتے ہیں۔ صبر، ہمت اور دعا سے کام لیتے چلے جائیں۔ یہی ہمارے ہتھیار ہیں۔ اس کا صحیح استعمال ہر احمدی کرے تو پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کس تیزی سے نازل ہوتے ہیں۔

مکرم عبدالقدوس شہید کے والد میاں مبارک احمد صاحب کا تعلق سیالکوٹ سے ہے۔ ان کے خاندان میں احمدیت کا نفوذ آپ کے پڑدادا حضرت میاں احمد یار صاحبؓ کے ذریعے ہوا جو فیروز والا (گوجرانوالہ) کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اسی طرح آپ کی پڑدادی محترمہ مہتاب بی بی صاحبہ بھی صحابیہ تھیں۔ ماسٹر صاحب 1968ء میں پیدا ہوئے۔ پیدائشی احمدی تھے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے۔ شہادت

کے وقت آپ کی عمر 43 سال تھی۔ آپ نے ایف اے تک تعلیم حاصل کی۔ پھر PTC کا کورس کیا اور ٹیچر لگ گئے۔ آپ کی شادی 1997ء میں روبینہ قدوس صاحبہ بنت مکرم ماسٹر بشارت احمد صاحب آف گوجرانوالہ سے ہوئی۔

شہید مرحوم تقریباً بیس سال ربوہ میں گورنمنٹ سکول میں پڑھاتے رہے۔ آپ کے ساتھی اساتذہ کے مطابق آپ کا شمار نہایت محنتی اور دیانتدار اساتذہ میں ہوتا تھا۔ محلّہ نصرت آباد میں رہائش سے قبل محلّہ دارالرحمت شرقی میں رہائش پذیر تھے جہاں انہیں اطفال الاحمدیہ کے دَور میں بھی مجلس کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی توفیق ملی۔ پانچویں کلاس سے جماعتی خدمات بجالا رہے تھے۔ مجلس خدام الاحمدیہ میں بطور منتظم اطفال، بعدازاں دس سال تک مختلف محلّہ جات میں زعیم حلقہ کے عہدہ پر فائز رہے۔ بلاک لیڈر بھی رہے۔ 1994ء میں نصرت آباد شفٹ ہوئے تو یہاں بھی فوری طور پر جماعت کے کاموں میں شامل ہو گئے اور بطور زعیم حلقہ خدمت کی توفیق پائی۔ مجلس صحت کے زیر انتظام شعبہ کشتی رانی کے انچارج تھے۔ کشتی رانی اور سوئمنگ بھی ان کو بڑی اچھی آتی تھی۔ نائب صدر شعبہ کشتی رانی مجلس صحت پاکستان اور تین سال تک پنجاب روئینگ ایسوسی ایشن کے مینیجر بھی رہے۔ آپ نے عطیہ خون کے ذریعہ بھی انسانیت کی خدمت کی بارہا توفیق پائی۔ اڑھائی سال قبل صدر محلّہ منتخب ہوئے اور بڑے احسن رنگ میں خدمات بجالا رہے تھے۔ محلّہ کے احباب کے مطابق شہید مرحوم بہت زیادہ حسنِ سلوک سے پیش آنے والے اور بلند حوصلے کے مالک تھے۔ ان کے ساتھ اگر کوئی شخص سخت لہجے میں بھی بولتا تو اس بات کو ہنس کر ٹال دیا کرتے تھے۔ عہدیداروں کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہی رویہ ہر عہدیدار کا ہونا چاہئے۔ آپ کو مجلس خدام الاحمدیہ کے شعبہ حفاظت مرکز میں بھی ایک لمبا عرصہ خدمت کی توفیق ملی۔ 2002ء سے شہادت تک حفاظت مرکز کے تحت علوم ب کے انچارج رہے۔ تمام ڈیوٹی دہندگان اور کارکنان کے ساتھ انتہائی شفقت سے پیش آیا کرتے تھے۔ اگر دیر تک ڈیوٹیاں ہیں تو اُن کے کھانے پینے، چائے وغیرہ کے انتظام کرنا اور خود جا کر پہنچانا ان کا معمول تھا، خدام ان سے بڑے خوش تھے۔ شہید مرحوم اطاعت اور فرمانبرداری کا ایک نمونہ تھے اور جماعتی عہدیداران کی عزت و احترام کا بہت زیادہ خیال رکھنے والے تھے۔ طالبعلمی کے دَور سے ہی اُنہیں ورزشی مقابلہ جات میں حصہ لینے کا بہت شوق تھا۔ کبڈی، ہاکی، فٹ بال، کرکٹ اور کشتی رانی کے اچھے پلیئر تھے۔

حضور انور نے فرمایا کہ ماسٹر عبدالقدوس صاحب کو خدمتِ خلق کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ دریائے چناب میں جب کبھی کوئی ڈوب جاتا تو احمدی یا غیر احمدی کا فرق کئے بغیر اُس کی لاش تلاش کرنے میں اپنے ساتھیوں کی نگرانی کرتے ہوئے دن رات محنت کرنے لگ جاتے، اور اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتے تھے جب تک کہ نعش کو تلاش نہ کر لیں۔

حضور انور نے فرمایا کہ میرے ساتھ بھی انہوں نے ڈیوٹیاں دی ہیں۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ کبھی سامنے آ کر ڈیوٹی دینے کا شوق نہیں تھا۔ کوئی نام و نمود نہیں تھی۔ باوجود انچارج ہونے کے پیچھے رہتے تھے اور اپنے ماتحتوں کو آگے رکھتے تھے۔ ان کی والدہ محترمہ کی خواہش تھی کہ جامعہ میں جائیں لیکن بہرحال وہ خواہش پوری نہیں ہو سکی۔ مرحوم کی اہلیہ محترمہ نے بیان کیا کہ شہید نہایت ملنسار، محبت کرنے والے، شاکر، ہمدرد اور دعا گو انسان تھے۔ ہم سب کا بہت خیال رکھتے تھے اور ہمارے ساتھ سخت رویہ کبھی نہیں اپنایا۔ باوجود تکلیف اور مشکل کے عزیزوں کی خوشیوں میں شامل ہوتے تھے۔ شہادت سے ایک روز قبل بچوں کو صبر، ہمت اور خلافت سے وابستگی کی تلقین کی۔ اللہ کرے یہ ان کی نسلوں میں جاری رہے۔

حضور انور نے فرمایا کہ ان کی اہلیہ نے جو خط مجھے لکھا اس میں انہوں نے لکھا کہ میرے میاں اکثر مجھے یہ کہا کرتے تھے۔ ''فیر میں تینوں یاد آواں گا''۔ یعنی اُن کو پہلے کچھ اپنے بارہ میں پتہ تھا اور آخری لمحات میں بھی یہی نصیحتیں کیں کہ میری والدہ کا خیال رکھنا، بچوں کا خیال رکھنا۔ تو یہ اُن کو تو خیر یاد آئیں گے ہی لیکن قدوس شہید سے ہمیں بھی یہ وعدہ کرنا چاہئے اور اہلِ ربوہ کو بھی کہ ہم احسان فراموش نہیں ہیں۔ یقیناً انہوں نے جماعت پر بہت زیادہ احسان کیا ہے اور محسنوں کو جماعت کبھی بھلایا نہیں کرتی۔ ہمیں بھی وہ انشاء اللہ ہمیشہ یاد رہیں گے۔

چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے مذکورہ بالا ارشاد کہ ''محسنوں کو جماعت کبھی بھلایا نہیں کرتی'' کے مطابق حضور انور کی منظوری سے مجلس خدام الاحمدیہ مقامی کے دفتر کا نام مکرم ماسٹر عبدالقدوس شہید کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ''ایوان قدوس'' رکھ دیا گیا۔ 30 اپریل 2012ء کو اس حوالہ سے ایک تقریب منعقد ہوئی جس کے مہمان خصوصی محترم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی ربوہ تھے۔ اس موقع پر مکرم عبدالکریم قدسی صاحب کی ایک نظم بھی پیش کی گئی جس کے چند اشعار یوں ہیں:

زخموں سے چُور چُور تھا لب پہ گِلہ نہ تھا
کیا حوصلہ تھا ماسٹر عبدالقدوس کا
مجرم نہ کہہ سکا وہ کسی بے گناہ کو
بڑھتا ہی جا رہا تھا تشدّد کا سلسلہ
پرواہ اپنی جاں کی نہ بہتے لہو کی تھی
پیشِ نظر تھا اس کے فقط عہد بیعت کا
اس نے تو صدق صبر کی اعلیٰ مثال سے
سفّاک قاتلوں کو بھی حیران کر دیا
تھا اس کا جسم قدسی اطاعت سے عطر بیز
قربانیوں کی دوڑ میں آگے نکل گیا

برادرم عبدالقدوس شہید نے بوقت شہادت اپنے والدین اور اہلیہ کے علاوہ تین بیٹے عبدالسلام (چودہ سال)، عبدالباسط (تیرہ سال)، عبدالوہاب (پانچ سال) اور ایک بیٹی عطیۃ القدوس ہے (دس سال کی) چھوڑے۔ اللہ تعالیٰ ان سب بچوں کا بھی حافظ و ناصر ہو۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کا مذکورہ بالا خطبہ جمعہ جہاں عبدالقدوس شہید کے ذکر خیر اور اُن کی غیر معمولی قربانیوں سے معنون تھا وہاں ہم سب کے لئے بھی نصائح اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کا ایک انمول خزانہ تھا۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اگرچہ محترم ماسٹر عبدالقدوس صاحب کے ساتھ میرا خونی رشتہ نہیں تھا۔ لیکن اُن کی شہادت پر مجھے یہی احساس ہوا کہ گویا مَیں نے اپنا ایک قریبی عزیز کھو دیا ہو۔ یہ احساس اس لئے بھی شدید تھا کہ اُن کے بچپن اور نوجوانی کے چند سال میری نظروں کے سامنے گزرے تھے۔ اُن کی محنت، دیانتداری اور خلوص نیت کا مَیں دل سے معترف تھا۔ قریباً 1980ء میں ایک منتظم اطفال کی

حیثیت سے مَیں نے اُنہیں اپنے محلّہ کا بہترین طفل پایا۔ اپنے محدود مادی وسائل پر قانع وہ ایک ایسا بچہ تھا جس نے کبھی بھی کسی خدمت سے اِعراض کرنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ جس خدمت کے لئے بھی اُسے کہا گیا عبدالقدوس نے سعادتمندی سے ہمیشہ سرِتسلیم خم رکھا۔ پھر جب مَیں محلّہ کا زعیم مقرر ہوا تو عبدالقدوس شہید کی نوجوانی کے ابتدائی چند سال بھی میرے ساتھ گزرے۔ کبھی کسی جھگڑے یا فساد میں اُس کا نام نہیں آیا۔ لیکن کبھی کسی غلط بات کی تائید بھی اُس نے نہیں کی اور عجیب بات یہ ہے کہ کسی قسم کی خدمت سے محرومی کے لئے اُس نے تعلیمی امتحان، ذاتی مصروفیات یا اپنی بیماری کو کبھی حائل نہیں ہونے دیا۔ بلاشبہ اُس کا شمار اُن بچوں اور نوجوانوں میں کیا جاتا تھا جو ہمہ وقت ہر خدمت کے لئے لبّیک کہنے پر آمادہ رہتے تھے۔ طبعی طور پر خوش مزاج ہونے کی وجہ سے دوسرے اطفال اور خدّام میں بھی مقبول تھے۔ جب بھی کوئی ذمہ داری دی جاتی تو خوش دلی سے محنت کر کے اپنا فرض ادا کرتے۔ یہ وہ وقت تھا جب پاکستان میں جنرل ضیاء الحق نے احمدیوں کا جینا حرام کر رکھا تھا اور ربوہ کے خدام سالہا سال سے روزانہ رات کو پہرہ دینے کی خدمت بجا لایا کرتے تھے۔

اس کے بعد خدام الاحمدیہ ربوہ میں بطور ناظم اشاعت مجھے چند سال خدمت کا موقع ملا تو میری درخواست پر عبدالقدوس صاحب کی منظوری بطور نائب ناظم مل گئی اور اس دوران اُن کی مزید کئی خوبیاں مجھ پر آشکار ہوئیں۔ وہ ایک ایسے قابل بھروسہ نوجوان تھے جن پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کیا جاسکتا تھا۔ اور سونے پر سہاگہ یہ کہ کام کی تکمیل کے بعد خود آکر رپورٹ دینا اُن کی بہت بڑی خوبی تھی۔

خدمت دین کرنے والوں سے ذاتی تعلق تو خودبخود اُستوار ہونے لگتا ہے۔ یہی تعلق میرے اپنے پیارے بھائی عبدالقدوس شہید کے ساتھ بھی تھا۔ 1987ء میں جب مَیں بغرض تعلیم لاہور میں مقیم تھا تو ایک روز ربوہ آیا۔ عبدالقدوس صاحب نے خاص طور آکر مجھے بتایا کہ وہ اب مزید پڑھنے کا ارادہ نہیں رکھتے اور کوئی کام شروع کرنا چاہتے ہیں۔ شاید اُن کے ذاتی اور گھریلو حالات بھی اُنہیں یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ لیکن چونکہ میرے خیال میں اُن کا تعلیم کو خیرباد کہنے کا فیصلہ درست نہیں تھا اس لئے اپنے طور پر اُنہیں سمجھانے کی کوشش کی اور پڑھائی میں مدد دینے کی پیشکش بھی کی۔ لیکن سمجھانے کے باوجود جب وہ اپنا فیصلہ تبدیل کرنے پر آمادہ نہ ہوئے تو پھر مَیں اُن کو اپنے ماموں (مکرم ملک ناصر احمد صاحب) کے پاس فیصل آباد لے گیا جنہیں ٹویوٹا موٹرگاڑیوں کے سپیئر پارٹس کے کاروبار کے سلسلہ میں چند مددگاروں کی ضرورت رہتی تھی اور ربوہ سے ہی چند دیگر لوگ بھی اُن کے پاس ملازم تھے۔ محترم ملک ناصر صاحب کی ایک متروک فرم K.Z.Motors میں عبدالقدوس صاحب کو رہائش کی جگہ بھی مل گئی اور کام بھی۔ فیصل آباد کے بس اڈّہ کے سامنے واقع اس فرم کا کام بیرونی ممالک سے آنے والے سپیئر پارٹس کو پاکستان کے مختلف علاقوں میں بذریعہ کارگو بھجوانا تھا۔ لیکن چونکہ عبدالقدوس صاحب مبتدی تھے اور تجربہ بالکل نہیں تھا، عمر بھی چھوٹی تھی اس لئے تنخواہ بھی زیادہ نہیں تھی بلکہ محض گزارہ ہی تھا۔ رہائش بھی چونکہ کام کے ساتھ ہی تھی اس لئے ڈیوٹی کا وقت بھی کچھ زیادہ ہی تھا۔ چنانچہ میرا اندازہ بالکل درست نکلا کیونکہ محض چند ماہ کے بعد ہی ایک دوپہر وہ میرے ہاں تشریف لائے اور کہنے لگے کہ اس طرح کے کام کرنے سے تو بہتر ہے کہ مَیں اپنی تعلیم ہی جاری رکھوں۔ لیکن چونکہ اُن کے آجر اُن کی دیانتداری اور محنت کے معترف ہو چکے تھے چنانچہ اُن کی انہی خوبیوں کی وجہ سے اُنہیں ملازمت چھوڑنے میں بھی مشکل پیش آرہی تھی۔ اسی لئے اُنہوں نے مجھ سے مدد مانگی تھی۔ حسن اتفاق تھا کہ عبدالقدوس صاحب جب میرے گھر پر تشریف لائے تو محترم ملک ناصر صاحب بھی اُس وقت ہمارے ہاں آئے ہوئے تھے۔ چنانچہ مَیں نے اُن سے عبدالقدوس صاحب کے ارادہ کا ذکر کیا تو انہوں نے فوراً ہی عبدالقدوس صاحب کو تنخواہ دوگنی کرنے کی پیشکش کر دی بلکہ مزید اضافہ کرنے کا بھی وعدہ کیا اور کچھ پرانے کارکنوں کی مثالیں بھی دیں جو اپنے تجربہ کی بنا پر بہت زیادہ مشاہرہ پارہے تھے۔

لیکن عبدالقدوس صاحب نے شاید زمانہ کی سختی کی جھلک قریب سے دیکھ لی تھی اور اسی لئے وہ اپنی چھوڑی ہوئی تعلیم دوبارہ جاری کرنے پر مُصر تھے۔ چنانچہ یہ مرحلہ بھی طے ہوگیا اور عبدالقدوس صاحب نے ملازمت سے فراغت حاصل کر کے اپنی منقطع تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا۔

میرے انگلستان آنے کے بعد برادرم عبدالقدوس کے ساتھ میرا براہ راست رابطہ تو اگرچہ قائم نہیں رہا لیکن اُن کی دینی خدمات کا ذکر دوستوں میں ہوتا رہتا جن کی کسی قدر تفصیل حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ میں بیان فرمائی ہے۔

پس صف اوّل کے خادم دین بن کر زندگی گزارنے والے ہمارے اس بھائی کی ساری زندگی جس طرح خاموشی کے ساتھ خدمات سے بھرپور گزری اُسی طرح اُنہوں نے بدترین تشدّد برداشت کرتے ہوئے خاموشی کے ساتھ ہی اپنی جان، جان آفرین کے حضور پیش کر دی۔

برادرم عبدالقدوس شہید سے میری آخری ملاقات 2003ء کی ایک رات نماز عشاء کے بعد "ایوان محمود" (دفتر خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ) میں اُس وقت ہوئی تھی جب مَیں لندن سے پندرہ سال بعد پاکستان گیا۔ اگرچہ جب وہ سوالیہ نشان بن کر میرے سامنے کھڑے ہوگئے تو جسمانی طور پر اُن میں اتنی تبدیلی آچکی تھی کہ مَیں اُنہیں پہچان نہیں سکا۔ لیکن چند ثانیے بعد جب وہ کہنے لگے: "نئیں پہچانیا"۔ (وہ ہمیشہ پنجابی زبان میں گفتگو کرتے تھے)۔ تو اُن کی آواز سنتے ہی میرے ذہن میں اُن کے نام کی بازگشت سنائی دی اور بےساختہ زبان سے اُن کا نام ادا ہوا اور پھر ہم بغلگیر ہوگئے۔ پندرہ سال بعد ہونے والی اس مختصر سی ملاقات میں چند باتیں ہوئیں۔

آج مجھے یہ کہنے میں کوئی حجاب نہیں ہے کہ مَیں تو ماسٹر عبدالقدوس صاحب کو اُس وقت اچانک پہچان نہیں پایا تھا۔ لیکن آج اُن کو پہچاننے والے اور بن ملے اُن سے محبت کرنے والے اور اُن کی پاک روح پر سلام بھیجتے ہوئے اُن کی نسلوں کے لئے دعائیں کرنے والے لاکھوں افراد دنیا کے ہر خطّہ میں موجود ہیں۔

اے عبدالقدوس! تم پر سلام کہ تم نے اپنی جان کی قربانی پیش کرتے ہوئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس پاکیزہ کلام کو عملاً سچا ثابت کر دکھایا کہ "شہید کا کمال یہ ہے کہ مصیبتوں اور دُکھوں اور ابتلاؤں کے وقت میں ایسی قوّت ایمانی اور قوت اخلاقی اور ثابت قدمی دکھلاوے کہ جو خارق عادت ہونے کی وجہ سے بطور نشان کے ہوجائے۔" (تریاق القلوب روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 516)

خدا عبدالقدوس شہید کی پاک روح پر بےشمار رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے اور اس کی قربانی کا فیض اُس کی نسلوں کو بھی ہمیشہ پہنچتا رہے اور دشمنِ احمدیت ہمیشہ اپنے بدارادوں میں ناکام و نامراد رہے۔ آمین

محترم سیّد میر داؤد احمد صاحب مرحوم

(سیّد شمشاد احمد ناصر مبلغ سلسلہ امریکہ)

دنیا میں انسان مختلف سعادتوں کے پانے پر خوش ہوتا ہے۔ مجھے بھی اپنی زندگی کی سب سے اہم سعادت، اپنے آپ کو اسلام و احمدیت کے لئے وقف کرنے کی ملی اس پر جس قدر بھی شکر ادا کروں کم ہے۔اس سعادت کے طفیل مجھے دین و دنیا میں سب کچھ ملا ہے۔ فالحمدللہ علی ذلک۔

وقف کرنا تو شائد آسان ہو،مگر وقف نبھانا اور وقف کے تقاضے پورے کرنا بہت مشکل کام ہے۔اورخصوصیت سے ایسے انسان کے لئے جس کا دینی علم کچھ نہ ہو، خاندانی خدمات نہ ہوں، اور ایک گاؤں سے اٹھ کر آئے جہاں پر احمدیت کی تعلیم کا کچھ پتہ نہ ہو،مزید مشکلات کا سامنا پیدا کر دیتا ہے لیکن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل پر ہی موقوف ہے اور اسی قسم کے میرے بھی حالات ہیں۔

مَیں نے دسویں تو رو دھو کر پاس کر لی تھی۔ یہ مَیں نے اس لئے لکھا کہ آٹھویں جماعت کے بعد اگلے سال ہی مَیں نے دسویں کا امتحان دے دیا تھا۔ سکول میں بعض وجوہات کی بنا پر داخلہ نہ مل سکا تو دسویں کا امتحان پرائیویٹ طور پر دیا اور تین مضامین میں کمپارٹمنٹ آ گئی۔ نتیجۃً جامعہ میں داخلہ کے لئے وقت پر نہ پہنچ سکا اور تین ماہ لیٹ ہو گیا۔

کمپارٹمنٹ کا امتحان دے کر ہی جامعہ میں چلا گیا۔ ابھی رزلٹ نہ آیا تھا۔ محترم سید میر داؤد احمد صاحب مرحوم (اللہ ان کے بے حساب درجات بلند کرے اور اپنی مغفرت کی چادر میں لپیٹ لے اور ان کے پیاروں کے ساتھ انہیں جگہ دے۔) کی شفقتوں اور مہربانیوں کا سلسلہ یہاں سے ہی شروع ہو گیا۔

۞......یہ سو فیصد درست ہے کہ جب تک خدا تعالیٰ کا فضل شامل حال نہ ہو اس وقت تک کچھ نہیں ہوتا۔اس میں نہ شک ہے، نہ شک ہو گا، نہ ہی شک کی گنجائش ہے۔لیکن جہاں تک وسائل اور دنیوی تدابیر کا تعلق ہے وہ بھی انسان سے ہی وابستہ ہیں۔ چنانچہ پہلی شفقت تو محترم میر داؤد صاحب نے یہ فرمائی کہ جامعہ احمدیہ میں خاکسار کا داخلہ بغیر رزلٹ آئے ہی کر لیا۔ پھر جامعہ میں داخلہ کے لئے جیسا کہ مروّجہ طریق ہے، خصوصاً پاکستان میں، کہ داخلہ کے لئے انٹرویو ہوتا ہے جس میں جامعہ کے اساتذہ کرام اور جماعت کے بڑے بڑے جیّد علماء طالبعلم کا انٹرویو لیتے اور اس کی دینی تعلیم، رجحان اور اس کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرتے ہیں۔جن دنوں خاکسار جامعہ میں داخل ہوا جامعہ کے بزرگ اساتذہ اور جیّد علماء کی ایک بڑی ٹیم ہوا کرتی تھی جو انٹرویو لیتے تھے۔اُن میں حضرت ملک سیف الرحمان صاحب مرحوم، مولانا غلام باری سیف صاحب مرحوم، مکرم سید میر محمود احمد صاحب (اللہ ان کی عمر اور صحت میں برکت دے)، وکیل التعلیم صاحب اور مولانا نسیم سیفی صاحب مرحوم، مولانا ابو العطاء صاحب مرحوم، مولانا قاضی محمد نذیر صاحب مرحوم، مکرم ملک مبارک احمد صاحب مرحوم، مکرم قریشی نور الحق تنویر صاحب مرحوم اور حکیم مولوی خورشید احمد مرحوم، اور بہت سے دیگر بزرگ اور اساتذہ کرام ہیں۔

جب مَیں تین ماہ لیٹ آیا تو داخلے تو ہو چکے تھے، لیکن خاکسار کو پھر بھی جامعہ میں داخل کر لیا گیا۔ ابھی غالباً ایک ماہ بھی نہ گزرا ہو گا کہ ایک دن ممہدہ کی کلاس میں مکرم سلیم صاحب محترم پرنسپل میر داؤد احمد صاحب کی طرف سے ایک رقعہ لے کر آئے جو کلاس کے استاد کے نام تھا کہ شمشاد کو جو نئے طالبعلم آئے ہیں دفتر پرنسپل میں بھیجا جائے۔ میرا یہ پہلا موقعہ تھا پرنسپل صاحب کے دفتر میں جانے کا۔ چنانچہ ڈرتے ڈرتے داخل ہوا۔ میرے السلام علیکم کہنے کے بعد وعلیکم السلام کہتے ہوئے آپ نے کھڑے ہو کر میرا استقبال کیا اور کرسی پر بیٹھنے کے لئے فرمایا۔ مجھے کوئی دفتری آداب سے بھی واقفیت نہ تھی۔ انتہائی دیہاتی ماحول سے اٹھ کر آیا تھا۔ خیر آپ نے میرا نام پوچھا، مَیں نے بتایا۔ ابّا کا نام پوچھا۔ کہا کہ سید شوکت علی۔ پوچھنے لگے کہ تم جامعہ میں آئے ہو مَیں نے تمہارا انٹرویو لینا ہے۔ مجھے کچھ خوف سا ہوا کہ پتہ نہیں اب انٹرویو میں کیا ہو گا۔

آپ نے پوچھا کہ تمہیں سورۃ فاتحہ آتی ہے؟ مَیں نے کہا جی آتی ہے، فرمایا سناؤ۔ خاکسار نے سورۃ فاتحہ سنا دی۔ فرمانے لگے اس کا ترجمہ بھی آتا ہے؟ خاکسار نے عرض کی کہ ترجمہ سیکھنے کے لئے ہی تو مَیں جامعہ میں داخل ہوا ہوں۔ آپ نے پوچھا کہ پھر ترجمہ سیکھنا ہے؟ مَیں نے کہا جی ہاں۔ پکّی بات ہے۔ عرض کی پکّی بات ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ کلاس میں۔

یہ تھا میرا انٹرویو۔ اگر فُل پنچ انٹرویو لیتا، تو مجھے تو کامل یقین ہے کہ شائد ہی پاس ہوتا۔ مگر قربان جاؤں میر صاحب کی شفقت کے، کہ آپ نے ایک ہی نظر میں پہچان لیا کہ یہ بڑے انٹرویو کے قابل نہیں ہے، بیچارے پر اتنا بوجھ کیوں ڈالا جائے، اور سورۃ فاتحہ سن کر ہی جامعہ میں داخلہ دے دیا۔ بعد میں ایک موقع پر محترم میر صاحب نے خاکسار کو اس انٹرویو کی تفصیل بھی سنائی۔ فرمایا کہ وکیل التعلیم کی طرف سے بار بار اصرار ہو رہا تھا کہ قواعد وضوابط کے تحت علماء کی پوری ٹیم بلائیں اور نئے داخل ہونے والے طالبعلم کا انٹرویو لے کر داخلہ کے کاغذات مکمل کریں، جب وکیل التعلیم صاحب کی طرف سے زیادہ اصرار ہوا تو مَیں نے کہا کہ ایک بچے کے لئے اتنا بڑا بورڈ بٹھانے کی بجائے اگر مَیں ہی پرنسپل کے طور پر اس کا انٹرویو لے لوں تو ٹھیک رہے گا۔ اس پر وکیل التعلیم صاحب نے اثبات میں جواب دیا اور مَیں نے تمہارا انٹرویو لے کر تمہیں جامعہ میں داخل کر لیا۔ فالحمدللہ علی ذلک۔

۞......میر داؤد احمد صاحب مرحوم جامعہ کے طلباء کے لئے بہت بڑے محسن اور شفیق باپ کی طرح تھے۔ آپ کو جامعہ کے طلباء کی عزت، احترام، خودداری، تعلیم، ان کے اندر خلافت کی محبت اور تبلیغ کا جذبہ پیدا کرنے کی ہر وقت لگن رہتی تھی۔ نیز انہیں سخت جان بنانے، انہیں زندہ دل اور ان کے اندر مزاح پیدا کرنے کی کوشش رہتی تھی اور یہ سب کچھ تربیت کا حصہ تھا۔ آپ نہ صرف یہ کہ ان امور کی طرف توجہ کرتے اور توجہ دلاتے بلکہ اُن کا تعلق باللہ بڑھانے کی طرف بھی پوری توجہ فرماتے مثلاً ہمیں حکم تھا کہ ہر جمعہ کو مسجد میں جمعہ شروع ہونے سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے پہنچنا چاہئے تا کہ نوافل اور سنتوں کی ادائیگی بڑے خشوع وخضوع کے

ساتھ ہو اور ہمیں یہ بھی ہدایت ہوئی کہ نوافل اور سنّتوں میں بڑی بڑی سورتیں مثلاً سورۃ یاسین اور سورۃ رحمان کی تلاوت کی جائے تا کہ ان سورتوں کے مضامین بھی مستحضر رہیں۔ اور ان کی کوشش ہوتی کہ ہر جہت سے یہ طالبعلم جامعہ سے فارغ ہو کر احمدیت و خلافت کا جانثار مبلغ و مربی بنے۔ اس سلسلہ میں آپ کی شفقت، محبت اور احسان کے چند واقعات بھی لکھتا ہوں۔

آپ کی شفقتوں کے متفرق واقعات

۞......ایک دفعہ پاکستان میں ہیضہ کی وبا پھوٹ پڑی۔ آپ نے جامعہ کے طلباء کے لئے حفظ ماتقدّم کے طور پر ہیضے کے ٹیکے لگوانے کا انتظام فرمایا اور مکرم عبدالجبار صاحب مرحوم جو ان دنوں فضل عمر ہسپتال میں نرس کے فرائض بجالاتے تھے، وہ طلباء کو انجکشن لگانے کے لئے جامعہ تشریف لائے۔ ایک دن پہلے ہی نوٹس بورڈ پر اعلان محترم میر داؤد صاحب نے لگا دیا کہ کل آخری پیریڈ میں سب طلباء ہال میں جمع ہو جائیں ٹیکے لگیں گے، ہر طالبعلم ٹیکہ لگوائے۔ خاکسار کی تو ٹیکے سے جان نکلتی ہے، ہوش وحواس میں ہوتے ہوئے انجکشن لگوانا ممکن نہ تھا، خیر جب طلباء ہال میں ٹیکے کے لئے جمع ہوئے تو کسی طرح خاکسار کھسک گیا، اور ہوسٹل چلا گیا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ ہر طالبعلم کا حساب کتاب بھی ہو رہا ہے یعنی ایک رجسٹر میں باقاعدہ کلاس وائز نام لکھے جا رہے ہیں۔ محترم میر صاحب کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ طالبعلم کھسک جاتے ہیں، ہم نے تو شکر بھی کیا اور خیر بھی منائی کہ چلو انجکشن کی تکلیف سے نجات ملی۔ مگر کہاں؟ اگلے دن جامعہ گیا تو نوٹس بورڈ پر ان سب طلباء کے نام لکھے ہوئے تھے جنہوں نے انجکشن نہ لگوایا تھا، اس ہدایت کے ساتھ کہ آج پھر آخری پیریڈ میں ہال میں ان سب طلباء کو ٹیکہ لگایا جائے گا جو کل حاضر نہ تھے۔ چنانچہ سارا وقت انجکشن کا خیال کر کے بازو میں درد ہوتا رہا۔ اور تکلیف کے احساس سے اس دن پڑھائی بھی دلجمعی سے نہ ہو سکی۔ خیر خدا خدا کر کے ہال میں داخل ہوئے اس دن محترم میر صاحب خود بھی ہال میں موجود تھے۔ باقی طلباء کا مجھے کچھ پتہ نہیں لیکن جب میرا نام پکارا گیا تو میرا چہرہ زرد تھا۔ محترم میر صاحب نے بھانپ لیا۔ میری طرف بڑھے میرا بازو پکڑا اور فرمانے لگے کہ کل کیوں نہ لگوایا؟ مَیں کھڑا ہو گیا۔ عرض کی سچ سچ بتاؤں۔ کہنے لگے ہاں۔ مَیں نے کہا کہ انجکشن سے ڈر لگتا ہے۔ کہنے لگے بس! مَیں نے کہا ہاں، مسکرا کر فرمانے لگے کہ اگر تمہیں فلاں جگہ بھجوا دیا گیا، پتہ ہے وہاں کس طرح ٹیکے لگتے ہیں؟ پھر خود ہی جواب دیا اور میرا بازو پکڑ کر میرے ساتھ عبدالجبار صاحب کے پاس لے گئے اور قربان جاؤں اس شفقت کے۔ دعا کرتے رہے اور دعا کر کے پھر دَم کرتے رہے اور اس دوران عبدالجبار صاحب نے اپنا کام کر دیا یعنی ٹیکہ لگا دیا۔

۞......جامعہ کی تعلیم کے دوران مجھے ذاتی کام کے لئے قرضہ کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ ابا جان کی طرف سے ابھی رقم نہیں ملی تھی۔ اگر اُنہیں خط بھی لکھتا تو تین چار دن میں چنی گوٹھ ضلع بہاولپور پہنچنا تھا پھر ابا جان رقم بھجواتے تو اس میں بھی 4-5 دن لگ جاتے تھے۔ خیر بڑی سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا کہ پرنسپل صاحب کو قرضہ کی درخواست دیتے ہیں۔ اور قرضہ کی درخواست لکھ کر پرنسپل کے ڈبہ میں ڈال دی۔ اگلے دن ایک بند لفافہ سلیم صاحب کارکن جامعہ احمدیہ نے خاکسار کو دیا، کھولا تو انہوں نے عاجز کو ایک نہایت پیاری عمدہ دعا پڑھنے کی تحریک کی تھی کہ یہ دعا کثرت اور توجہ سے پڑھا کریں:

''اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَکَ اَرْجُو فَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طُرْفَۃَ عَیْنٍ وَاَصْلِحْ شَاْنِیْ کُلَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ''۔ ترجمہ: ''اے اللہ مَیں تیری رحمت کا طلبگار ہوں پس تو کبھی بھی ایک لحظہ کے لئے بھی مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کرنا۔ اور میرے سارے کام خود ہی درست فرما دے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں''۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے اس دعا نے ایسا کام کیا کہ اس دن کے بعد سے آج تک لبوں پر جاری رہتی ہے اور خدا تعالیٰ خود غیب سے میرے سارے کام کر دیتا ہے۔ الحمدللہ علی ذلک۔

کہاں وہ ادارے جہاں دین کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کے ہاتھوں میں کشکول پکڑا دیتے ہیں اور بھیک مانگنا سکھاتے ہیں جن سے ان کی خودداری اور عزت نفس کا نام ونشان بھی نہیں رہتا۔ کہاں خدا کا یہ مسیح اور اس کے یہ پروانے اور اساتذہ جو نہ صرف ان کے اندر جذبہ خودداری پیدا کرتے ہیں بلکہ اپنی تمام تر حاجات کا منبع وسرچشمہ خدا تعالیٰ کی ذات کو ہی سمجھتے ہیں۔

۞......جامعہ کے طلباء ہر سال مسجد مبارک میں اعتکاف کرتے تھے خصوصاً آخری کلاسوں کے طلباء۔ خاکسار نے بھی ایک سال جامعہ کے ابتدائی سالوں میں اعتکاف کیا۔ گرمی کے دن تھے، محترم میر صاحب کے گھر سے آپ کی اہلیہ حضرت سیدہ آپا امۃ الباسط صاحبہ مرحومہ طلباء کے لئے روزانہ ہاتھ کی مٹھائی اور سموسے وغیرہ بنا کر بھجواتی تھیں۔ ابھی اعتکاف پر شائد دو تین دن ہی گزرے ہوں گے کہ سیدنا حضرت مرزا ناصر احمدؒ خلیفۃ المسیح الثالث نے خطبہ جمعہ میں کچھ اس قسم کی ہدایات دیں کہ بعض لوگ ''دعا گو'' بنے ہوتے ہیں، ان کے پاس لوگ کھانے پینے اور مٹھائیاں لے کر دعا کروانے کے لیے آتے ہیں اور ایک قسم کی یہ بدعت بنتی جا رہی ہے اس لئے مَیں ان باتوں سے منع کرتا ہوں۔ (اس قسم کی ہی نصیحت و ہدایت تھی جسے میں نے اپنے الفاظ میں لکھ دیا ہے)۔ خیر شام کو افطاری کے وقت محترم میر صاحب کے گھر سے حسب سابق مٹھائی اور سموسوں کی افطاری آئی۔ خاکسار نے فوراً واپس کر دی کہ مَیں نہیں لوں گا اور نہ یہ کھاؤں گا۔ نماز عشاء پر محترم میر صاحب میرے پاس تشریف لائے اور پوچھا کہ آپ نے مٹھائی کیوں واپس بھجوا دی، میں نے عرض کی کہ آپ نے آج حضور کا خطبہ نہیں سنا؟ کہنے لگے سنا تھا۔ مَیں نے کہا حضور نے فرمایا تھا کہ لوگ دعا گو بنے ہوئے ہیں اور مٹھائیاں وغیرہ ان کے ٹینٹوں میں لوگ دے جاتے ہیں، اس وجہ سے مَیں نے مناسب نہ سمجھا کہ حضور کی حکم عدولی ہو۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ کس وجہ سے خطبہ دیا گیا ہے، تم ایسے لوگوں میں سے نہیں ہو اور نہ ہی خدا تمہیں کرے۔ تمہارے ساتھ میرا رشتہ باپ بیٹوں جیسا ہے۔ میں نے عرض کی مجھے تو بہرحال صحیح صورت کا علم نہیں جو حضور نے فرمایا میں نے کر دیا۔ اگر آپ یہ فرماتے ہیں تو ٹھیک ہے کل سے بھجوا دیں۔

محترمہ بی بی امۃ الباسط بیگم صاحبہ (بی بی باچھی) کی منجملہ خوبیوں میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ہر سال ان تمام طلباء کو جو اعتکاف بیٹھتے تھے ان کے لئے بلا ناغہ گھر سے کھانے پینے کی اشیاء اور مٹھائیاں وغیرہ بھجواتیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور ان پر بھی رحمتوں کی چادر ڈالے۔ اور انہیں بھی پیاروں میں جگہ دے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَھَا وَارْحَمْھَا وَادْخِلْھَا فِی عِلِّیِّیْن۔

✿......آپ جلسہ سالانہ کے بھی افسر ہوتے تھے۔ بڑی مصروفیات کا عالم ہوتا تھا اور ایسے میں بھی آپ طلباء جامعہ کا خیال رکھتے تھے۔ جلسہ سالانہ چونکہ دسمبر کے آخری دنوں میں ہوتا تھا۔ اس لئے جلسہ کے اختتام اور نئے سال کے شروع میں ایک دوسال کے لئے آپ نے جامعہ کی آخری کلاس کے طلباء کو مری (Murree) Snow Fall دیکھنے کے لئے بھجوانا شروع کیا۔ غالباً ہماری کلاس سے دوسال پہلے والے طلباء گئے تھے۔ تو جس سال ہماری باری آنی تھی ہم سب بڑے خوش تھے کہ ہمیں بھی اب پرنسپل صاحب مری وغیرہ میں سنو فال دیکھنے کے لئے بھجوائیں گے، خدا خدا کر کے وہ دن آیا۔ ہمیں اطلاع ملی کہ سب طلباء جامعہ کی ٹک شاپ پر جمع ہو جائیں۔ ہم سب بہت خوش تھے کہ بس اب کل کو چناب ایکسپریس پر ہم جا رہے ہیں سنو فال دیکھنے کے لئے۔

چنانچہ عصر کے وقت سب طلباء ٹک شاپ پر جمع ہو گئے اور محترم پرنسپل صاحب بھی تشریف لے آئے۔ طلباء میں رشید ارشد صاحب، سمیع اللہ زاہد صاحب، سجاد صاحب، مرزا محمود صاحب، زکریا خان صاحب، سلمان صاحب، مفتی احمد صادق صاحب، انعام الحق کوثر صاحب، شریف احمد صاحب، عبدالستار خان صاحب (یہی نام اس وقت یاد ہیں) اور دیگر ساتھی تھے۔ جب چائے وغیرہ پی چکے تو محترم میر صاحب نے فرمایا کہ بچو! اس سال میں تمہیں سنو فال دیکھنے کے لئے نہیں بھجوا سکتا، یہ بات بجلی کی طرح ہم پر گری۔ بس پھر کیا تھا یہ اوپر والے مذکورہ طلباء نے محترم پرنسپل صاحب کو بار بار اصرار کیا کہ ہم تو جائیں گے۔ وہ نظارہ قابل دید تھا جس طرح بچے باپ کے ساتھ پیار و محبت میں ضد کرتے ہیں۔ طالبعلم ضد بھی کر رہا ہے اور اصرار بھی کر رہا ہے کہ نہیں جو کچھ بھی ہو ہمیں ضرور بھجوائیں۔ پرنسپل صاحب کہہ رہے ہیں کہ اس دفعہ فنڈز نہیں ہیں وغیرہ۔ اپنی مجبوریاں بیان کئے جا رہے ہیں اور ہم ہیں کہ مجبوریوں کو خاطر میں نہیں لا رہے۔ جب معاملہ طول پکڑ گیا اور میر صاحب نے کہہ دیا کہ اس سال نہیں بھجوا سکتا۔ سب خاموش ہو گئے۔ خاکسار نے سکوت توڑا اور طلباء ساتھیوں سے کہا کہ اگر مَیں پرنسپل ہوتا تو تمہیں ضرور بھجوا دیتا۔ میر صاحب نے میری طرف دیکھا، پوچھا: کیا کہا ہے؟ مَیں نے کہا جی! اگر مَیں پرنسپل ہوتا تو سب کو سنو فال دیکھنے کے لئے بھجوا دیتا۔ میر صاحب فرمانے لگے کہ چلو اچھا تمہیں ایک گھنٹہ کے لئے پرنسپل بنا دیتا ہوں۔ مَیں نے کہا کہ ایک گھنٹے میں تو ہم سٹیشن تک بھی نہ پہنچ پائیں گے! بس اس پر زوردار قہقہہ بلند ہوا، سب مسکرانے لگے اور اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

✿......جس سال امریکہ کا خلائی جہاز چاند پر گیا ہے تو اخبارات میں یہ خبریں بھی آنے لگیں کہ اس سال لوگ بھی چاند پر جا سکیں گے۔ مَیں نے بھی ایک ایسی ہی خبر پڑھی اور پڑھ کر پرنسپل صاحب کے نام درخواست یوں لکھی کہ: عرض ہے کہ مجھے یہ خبر سن کر نہایت خوشی ہوئی ہے کہ انسان جولائی تک چاند پر پہنچ جائے گا۔ مَیں اس دفعہ گرمیوں کی چھٹیاں چاند پر گزارنا چاہتا ہوں۔ یہاں پر دل نہیں لگتا۔ اس لئے براہ کرم چاند پر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی جاوے، عین نوازش ہوگی۔

سید شمشاد احمد ناصر۔ درجہ ثانیہ 28/5/69

اگلے دن لفافہ میں میرے خط کا جواب پرنسپل صاحب نے دیا۔ اسی خط پر ایک حاشیہ پر لکھا:

''ہمارے ایک عزیز تھے انہوں نے اپنے والد سے اصرار کیا کہ مجھے ہوائی جہاز اڑانے کا شوق ہے مجھے اس کی ٹریننگ دلوا دیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ پہلے زمین پر چلنا سیکھو۔ سو اگر زمین پر جہاں رنگا رنگ کی چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں آپ کا دل نہیں لگتا تو چاند پر جہاں سوائے پتھروں اور ریت کے کچھ نہیں دل کیسے لگے گا؟......''۔ دستخط (سید داؤد احمد)

اب دیکھیں میر صاحب مرحوم نے یہ نہیں لکھا کہ شمشاد تم نے یہ کیسی بے وقوفی کی درخواست دی ہے۔ نہ ہی جھڑکا اور نہ ہی ناراض ہوئے بلکہ خود بھی محظوظ ہوئے اور مجھے بھی ایسا جواب لکھا جس میں نصیحت تھی۔

عاجزی وانکساری

✿......ایک دفعہ باہر سے ایک غیر ملکی مہمان آپ سے ملنے کے لئے آئے۔ انہوں نے دفتر میں آپ سے ملاقات کی۔ ملاقات کرنے کے بعد جب آپ انہیں باہر چھوڑنے آئے تو عین اس وقت گھنٹی بجی اور اساتذہ اور طلباء اپنی کلاسوں سے باہر نکلے تاکہ اپنی اپنی دوسری کلاسوں میں جا سکیں۔ اتفاقاً خاکسار اور چند اور طلباء بھی باہر نکلے اور وہاں ہی ہمارے پیارے استاد جناب میر محمود احمد ناصر صاحب بھی آگئے تو محترم پرنسپل صاحب نے میر محمود صاحب کا تعارف کرایا کہ یہ میرے بھائی ہیں۔ مہمان نے پوچھا کہ آپ میں سے بڑا کون ہے؟ آپ نے فوراً جواب دیا کہ ''علم میں یہ بڑے ہیں۔ عمر میں مَیں بڑا ہوں''۔

✿......ایک دفعہ مسجد مبارک میں اعتکاف کیا، تو جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں کہ آپ کی اہلیہ محترمہ آپا سیدہ امتہ الباسط صاحبہ ہمارے لئے افطاری کے وقت خود تیار کر کے مٹھائیاں بھجواتی تھیں بلکہ مٹھائی کے علاوہ اور بھی کچھ مزیدار چیزیں ساتھ آتی تھیں۔ ایک دن نماز عشاء کے بعد محترم میر صاحب مرحوم و مغفور خاکسار کے پاس آئے اور پوچھا شمشاد اعتکاف کیسا گزر رہا ہے؟ عرض کی کہ اعتکاف تو ٹھیک گزر رہا ہے لیکن مجھے ایک بیماری ہے جس کی وجہ سے ذرا دِقّت محسوس کر رہا ہوں۔ پوچھنے لگے کہ وہ کیا؟ عرض کی کہ لسّی پینے کی بیماری ہے۔ مَیں چائے کا عادی نہیں ہوں اور آجکل گرمی بھی بہت ہے، لسّی کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ بس یہی بات ہوئی۔ اگلے دن صبح سحری کے وقت سید قمر سلیمان احمد صاحب (حضرت میر صاحب کے صاحبزادے) میرے لئے گھر سے بڑی مزیدار لسی لے کر آئے۔ اور پھر بقیہ ایّام میں ہر روز ایسا ہی ہوتا رہا۔ فجزاھم اللّٰہ احسن الجزاء

ڈسپلن کی پابندی

✿......آخری کلاس یعنی درجہ سادسہ میں محترم میر صاحب ڈسپلن کی بڑی سختی فرماتے تھے۔ ہمیں حکم تھا کہ وقت پر جامعہ آنا ہے۔ کلاس میں خود اپنی حاضری لگانی ہے۔ اور کلاس کے طلباء نے باری باری پڑھانا بھی ہے اور درس بھی دینا ہے۔ اور اس کی روزانہ ڈائری بھی لکھنی ہے۔ اور ڈائری لکھ کر روزانہ ہی پرنسپل صاحب کو دینی ہے، محترم پرنسپل صاحب ڈائری چیک کرتے۔ ہر ایک کی ڈائری پر نوٹ تحریر فرماتے اور جس چیز میں کمی رہ گئی ہوتی تو اس کی طرف توجہ دلاتے۔ اور ہمارے پروگرام تہجد سے شروع کرواتے، تہجد میں ناغہ منظور نہ تھا، اس کے لئے اگر ناغہ ہو جاتا تو نوافل ہوتے اور صدقہ بھی دیا جاتا۔ اور اگر مسلسل دو تین دن ایسا ہو جاتا کہ تہجد کے لئے نہ اٹھا گیا، تو پھر مسجد اعتکاف کرنا پڑتا۔

خاکسار نے ایک دن لکھا کہ آج تہجد نہ ادا ہوئی۔ استغفار بھی کیا اور صدقہ بھی

دیا۔ اگلے دن پھر یہی ہوا۔ اور ساتھ ہی لکھ دیا کہ استغفار کی اور صدقہ ادا کر دیا۔ آپ نے اس پر نوٹ لکھا کہ اب صدقہ اور استغفار کافی نہیں ہے، آج رات مسجد مبارک میں نماز عشاء سے فجر تک اعتکاف کریں اور دعاؤں میں وقت گزاریں۔ چنانچہ خاکسار نماز عشاء کے بعد بستر لے کر مسجد مبارک پہنچ گیا۔ وہاں پر ابھی پہریداروں کو پتہ نہ تھا کہ آج رات مَیں نے اعتکاف کرنا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہمیں اس کی کوئی اطلاع نہیں ہے میر صاحب سے جا کر کہیں۔ مَیں نے کہا کہ مَیں تو مسجد کے دروازے پر ہی اعتکاف کرلوں گا آپ خود جا کر پتہ کریں۔ مَیں اب یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ کیونکہ میرا اعتکاف نماز عشاء کے بعد سے شروع ہے۔ چنانچہ پہریدار محترم میر صاحب کے گھر گیا۔ (آپ کا گھر مسجد مبارک سے متصل تھا) اور پتہ کر کے آیا۔ اور اس طرح تہجد ادا نہ کرنے پر مسجد مبارک میں اعتکاف کیا۔

ضمانت یا سفارش

✿...... خاکسار کو حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی کتب کا سیٹ خریدنا تھا۔ لیکن اس کے لئے رقم نہ تھی۔ چنانچہ الشرکۃ الاسلامیہ سے رابطہ کیا۔ وہاں پر ان دنوں ایک دوست عبدالخالق صاحب مرحوم انچارج ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ کے پرنسپل صاحب آپ کی ضمانت دے دیں تو میں کتب کا سیٹ آپ کو دے دوں گا۔ اور آپ ہر ماہ تھوڑی تھوڑی رقم باقاعدگی سے بالاقساط ادا کر دیں۔ خاکسار نے محترم پرنسپل صاحب کو درخواست دے دی کہ مجھے کتب کا سیٹ چاہئے لیکن ساری رقم ادائیگی کے لئے نہیں ہے۔ آپ الشرکۃ الاسلامیہ کو میری ضمانت دے دیں کہ میں ادائیگی کر دوں گا۔ آپ نے جواباً مجھے لکھا کہ مَیں تو خود واقفِ زندگی ہوں آپ کی ضمانت کیسے دے دوں؟ ہاں سفارش کر سکتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے میری سفارش کی کہ یہ اچھے طالبعلم ہیں انہیں کتب کا سیٹ دے دیا جائے، یہ ادائیگی کر دیں گے۔ چنانچہ اس طرح مجھے کتب کا سیٹ مل گیا اور خاکسار نے رقم کی ادائیگی قسطوں میں کر دی۔

لفظ 'حضرت اقدس' کا صحیح استعمال

✿...... خاکسار غالباً پہلے سال ممہدہ کا امتحان دے کر گاؤں چھٹیاں گزارنے چلا گیا تھا۔ وہاں سے مَیں نے آپ کی خدمت میں خط لکھا اور لفافہ پر جہاں ایڈریس لکھتے ہیں آپ کے نام کے ساتھ لکھا 'بخدمت اقدس سید میر داؤد احمد صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ'۔ آپ نے فوراً خاکسار کو اس خط کا جواب لکھ کر بھجوایا اور نصیحت فرمائی کہ لفظ 'اقدس' کے معانی ہیں "سب سے زیادہ پاک" اور یہ لفظ صرف اور صرف نبی اور خلیفہ کے لئے استعمال کرنا چاہئے، اور کوئی اس لائق نہیں ہوتا کہ اُس کے لئے یہ لفظ استعمال کیا جائے۔

دراصل محترم میر داؤد احمد صاحب کو خاکسار نے جب سے دیکھا تو آپ کی پُرکشش شخصیت، باوقار چہرہ، آپ کی نفاست اور آپ کے حسنِ سلوک نیز آپ کی نیکی اور تقویٰ سے متاثر ہو کر خاکسار نے آپ کے لئے یہ لفظ لکھ دیا تھا۔

✿...... اسی طرح ایک اور واقعہ ہے کہ مَیں جب اپنے گاؤں میں سالانہ امتحان دے کر گیا ہوا تھا تو وہاں سے آپ کی خدمت میں خط لکھا کہ خیریت سے یہاں پہنچ گیا ہوں۔ اور جو کچھ بھی لکھنا تھا لکھ دیا۔ اور آخر میں یہ بھی لکھ دیا 'میر صاحب محترم! اگر قلم، دوات، کاغذ میسر ہو تو خط کا جواب بھی ضرور دیں'۔ آپ نے محبت بھرے انداز میں خط لکھا اور آخر میں میرے فقرہ کو درج کر کے لکھا کہ کیا کسی کو خط لکھنے کا صرف یہی محرّک ہوا کرتے ہیں کہ اس کے پاس کاغذ، قلم اور دوات ہو؟

✿...... درجہ شاہد کا امتحان دے کر کچھ چھٹیاں ملیں تو خاکسار چھٹیاں گزارنے چلا گیا۔ واپس آیا تو جب ڈائری جو روزانہ آپ کو دینی ہوتی تھی بھجوائی جانے لگی۔ پہلے ایک دو دن تو آپ نے صرف ڈائری کے مندرجات پر ہی نوٹس دیئے۔ تیسرے دن لکھا کہ "کیا استاد اور شاگردی کے یہی آداب ہوتے ہیں کہ چھٹیاں گزارنے کے بعد واپس آ کر ملے بھی نہیں؟" خاکسار نے لکھا کہ شرمندہ ہوں۔ اور ملنے پھر بھی نہ گیا۔ آپ نے اگلے دن خود بلوایا اور گلے لگایا۔

✿...... ایک دفعہ جامعہ میں کوئی فنکشن ہونا تھا خاکسار کو ہدایت دی کہ آپ اس کے انچارج ہیں مَیں نے فوراً "نہ" کر دی۔ پوچھنے لگے کہ کیوں؟ عرض کی مجھے اس کام کا تجربہ نہیں ہے، یہ بڑی ذمہ داری ہے میں نہیں لینا چاہتا۔ آپ نے فرمایا میں اپنے طلباء کے لئے یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ کسی بھی کام کے لئے نہ کریں۔ مَیں تو اس بات پر خوش ہوں گا اور فخر محسوس کروں گا کہ میدان میں تمہاری لاش دیکھوں کہ تم نے میدان عمل میں جان دے دی ہے۔ یا پھر کام مکمل کر کے واپس آئے ہو۔

یہ جذبہ تھا جو آپ ہر طالبعلم کے دل میں بٹھا کر اسے جماعت کے مستقبل کے لئے تیاری کراتے تھے۔ اور آپ یہ باتیں اور نصائح اس رنگ میں کرتے تھے کہ سننے والے کے دل میں جاگزیں ہوتی تھیں۔ خصوصاً اپنے طلباء پر آپ کو ناز بھی بہت تھا اور سمجھتے تھے کہ جس عظیم مقصد کے لئے انہیں تیار کیا جا رہا ہے یہ اس قابل ہو رہے ہیں اور گاہے بگاہے اس کو آزماتے بھی رہتے تھے۔

کراس کنٹری ریس

✿...... ایک دفعہ آپ نے چھٹی کے دن غالباً 26 میل کی کراس کنٹری ریس لگوائی۔ کچھ طلباء نے اس میں حصہ لیا۔ آپ نے انہی طلباء میں سے چند ایک کو اگلے دن کے لئے دوبارہ منتخب کیا جو پہلے دن ریس لگا کر آئے تھے اور فرمایا کہ یہ طلباء آج پھر کراس کنٹری ریس پر جائیں گے۔ اور مکرم عبدالرزاق صاحب مرحوم جو ہمارے جامعہ کے فزیکل ایجوکیشن کے انچارج تھے اور پی ٹی صاحب کے نام سے مشہور تھے کو بصیغہ راز بتایا کہ اگر یہ طلباء بغیر کسی چون و چرا کے آج پھر جا کر ریس میں حصہ لیں گے تو ان کو جو وہ چاہیں گے انعام دوں گا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ سب طلباء بغیر کسی چون و چرا کے اگلے دن پھر ریس پر گئے اور آپ نے ان سب کو اُن کی خواہش کے مطابق انعامات بھی دیئے۔ ان میں سے دو طالبعلم ہماری کلاس میں سے تھے۔

چشم پوشی بھی اور اصلاح بھی

✿...... جامعہ میں تعلیم کے دوران خاکسار کو اشعار یاد کرنے میں دلچسپی تھی اس لئے بعض اوقات ہر قسم کا شعر سن کر یاد ہو جایا کرتا تھا۔ پھر چند اور طلباء بھی تھے جب ہم اکٹھے ہوتے تو جو نیا شعر سنا ہوتا یا یاد کیا ہوتا وہ ایک دوسرے کو سنا کر محظوظ ہوتے۔ ایک دفعہ گرمیوں کے دن تھے اور جامعہ کے امتحانات سر پر تھے۔ رات دیر گئے تک طلباء سٹڈی میں مصروف رہتے۔ پڑھائی کرتے کرتے جب تھکاوٹ محسوس ہوتی تو ہم تین چار دوست مل جاتے اور وہیں کھڑے کھڑے ایک دوسرے کو اشعار سنانا شروع کر دیتے تا کہ ذہنی تھکاوٹ دور ہو۔ جب مَیں شعر پڑھ رہا

تھا، تو اچانک محترم پرنسپل صاحب نے، جو اس وقت جامعہ کا گشت کر رہے تھے، میرے شعر پڑھنے پر کنگھورا مارا اور اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ یہ میرے لئے بہت بڑی Embarrassment تھی۔ خیر اتنے میں پرنسپل صاحب بالکل سامنے آگئے اور فرمایا۔ شمشاد! شعر دوبارہ پڑھو۔ مَیں شرمندہ تھا، لیکن حوصلہ کے ساتھ میں نے عرض کی: میر صاحب ایک غلطی تو مَیں نے خود کر دی۔ دوسری دفعہ غلطی آپ کروانے لگے ہیں۔ آپ خاموش ہو گئے۔

۞......اگلے دن کلاس کے دوران، محمد سلیم صاحب مرحوم آپ کی طرف سے ایک لفافہ لے کر آئے، کھولا تو اس میں درج تھا:

عزیزم شمشاد احمد۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ آئندہ سے شعر نہ پڑھا کریں، جو وقت آپ شعروں کو یاد کرنے اور پڑھنے میں لگاتے ہیں وہ کسی اور عمدہ کام میں صرف کریں۔ والسلام۔ سید داؤد احمد

خیر ہم نے شعر یاد کرنے اور سنانے بالکل چھوڑ دیئے، اور بات آئی گئی ہوگئی۔ لیکن بُرج کی نہر پر سالانہ پکنک تھی، محترم پرنسپل صاحب بھی تھے اور اس میں دوپہر کے وقت بعض اور بزرگ علماء جن میں حضرت مولٰنا ابوالعطاء صاحب مجھے یاد ہیں، بھی تشریف لائے ہوئے تھے، تو بیت بازی کا مقابلہ ہونے لگا۔

مَیں خاموشی کے ساتھ نظریں نیچی کئے ہوئے ایک طرف بیٹھا تھا کہ اچانک پرنسپل صاحب نے خاکسار کو آواز دی شمشاد تم شعر کیوں نہیں پڑھتے؟ مَیں نے عرض کی کہ آپ نے ہی پابندی لگائی ہوئی ہے۔ ہنس کر فرمانے لگے کہ وہ تو ایک وقت کے لئے تھی۔ تمہارے امتحان سر پر تھے اور تم اشعار میں اپنا وقت ضائع کر رہے تھے۔ اس لئے پابندی لگائی تھی۔ تم شوق سے اشعار کہو۔

اللہ اللہ کیا شفقت تھی۔ کیا اصلاح کا طریق تھا اور کیا ہی چشم پوشی تھی۔ بظاہر یہ ایک بہت معمولی واقعہ ہے مگر دیکھیں:

1۔ آپ نے میرے شعر سننے اور پھر جواب دینے پر کوئی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا، آپ تو اس وقت جھڑک بھی سکتے تھے، سزا بھی دے سکتے تھے لیکن نہیں!

2۔ مجھے سب کے سامنے ڈانٹا بھی نہیں، بلکہ یہ بھی نہیں کہا کہ تم شعر نہ پڑھا کرو۔

3۔ چشم پوشی بھی کی۔ اور اگلے دن اصلاح کا طریق بھی اختیار کیا کہ علیحدگی میں خط لکھ کر اصلاح کر دی اور تربیت فرمائی تا کہ عزت نفس مجروح نہ ہو اور شرمندگی بھی نہ اٹھانی پڑے۔

خاکسار نے اس طریق سے ہمیشہ ہی میدان عمل میں فائدہ اٹھایا ہے، جن دوستوں کو کسی امر سے متعلق توجہ دلانی مقصود ہوتی ہے، خاکسار بھی انہیں خط لکھ کر اطلاع کرتا ہے اور توجہ دلاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت دفعہ اصلاح بھی ہو جاتی ہے۔ آپ طلباء کی عزت نفس کا بہت خیال رکھتے تھے، اور طالبعلم کو یہ محسوس ہی نہ ہونے دیتے تھے کہ انہیں بے عزت کیا جا رہا ہے۔

ایک دفعہ کسی بات پر خاکسار نے محترم پرنسپل صاحب کو کسی بات کا ذرا خشک سا جواب دے دیا۔ آپ نے فرمایا۔ شمشاد! تم سب کچھ بنو لیکن خشک مولوی نہ بننا!

شاہد کے امتحان میں بھی معجزانہ کامیابی

۞......جس طرح خاکسار نے شروع میں ذکر کیا ہے کہ جامعہ میں میرا داخلہ بھی ایک معجزہ سے کم نہ تھا۔ یہ محض اور محض خدا تعالیٰ کا خاص فضل، اور میرے والدین کی دعائیں نیز حضرت میر صاحب مرحوم کی شفقت کا نتیجہ تھا۔ بالکل اسی طرح جامعہ سے فراغت اور شاہد کے امتحان میں کامیابی بھی ایک معجزہ اور خدا تعالیٰ کے فضل کا میرے لیے ایک بہت بڑا نشان تھا۔

ہوا یہ کہ ہماری کلاس نے 1973ء کے شروع میں درجہ شاہد کا امتحان دیا، جب رزلٹ آیا تو مَیں فیل تھا۔ کچھ دوستوں کی تو ایک دو مضامین میں کمپارٹمنٹ آگئی اور کچھ خدا تعالیٰ کے فضل سے کامیاب ہو گئے۔ مَیں ان میں شامل تھا جو فیل ہو گئے تھے۔ خیر بہت دعائیں کیں کہ اے اللہ! مَیں تو بے حد نالائق ہوں اور مجھ سے تو دوبارہ سب مضامین کا امتحان دینا بہت مشکل ہوگا۔ کوئی ایسا سامان کر کہ دو تین مضامین میں کمپارٹمنٹ ہی آجائے تا کہ سب مضامین کی بجائے چند مضامین پر توجہ دوں اور امتحان دے سکوں۔ خیر اس بات پر چند دن گزر گئے۔ رزلٹ نکلنے کے بعد مَیں محترم میر صاحب کو شرمندگی کی وجہ سے ملنے بھی نہ گیا۔ ہفتہ عشرہ کے بعد مجھے محترم پرنسپل صاحب نے اپنے دفتر میں بلایا۔ مَیں پریشانی کے عالم میں دفتر میں گیا۔ دل میں طرح طرح کے خیالات جنم لینے لگے اب پتہ نہیں کیا ہوگا۔ چنانچہ دفتر پہنچا۔ حسب سابق محترم پرنسپل صاحب نے مسکراتے ہوئے کھڑے ہو کر استقبال کیا، ایک ہاتھ میں کاغذ پکڑا ہوا تھا۔ کبھی وہ کاغذ میری طرف بڑھاتے اور کبھی کچھ کہنے کی کوشش بھی کرتے۔ خیر فرمایا یہ لو خود ہی پڑھ لو۔

میرا تو وہ کاغذ آپ کے ہاتھ میں دیکھ کر پہلے ہی رنگ فق ہو گیا تھا کہ نہ جانے اس میں کون سی سزا ہو گی کیونکہ شاہد امتحان میں فیل تھا۔ جب خط پڑھا تو میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ خط میں محترم پرنسپل صاحب نے مجھے لکھا کہ:

عزیزم مکرم سید شمشاد احمد ناصر السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کو وکالت تعلیم کی طرف سے جامعہ احمدیہ 1973ء کے شاہد کے امتحان میں کامیاب قرار دیا گیا ہے۔ مَیں آپ کو اس پر مبارکباد دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو احسن رنگ میں دین کی خدمت کی توفیق دے، آمین۔

والسلام خاکسار سید داؤد احمد

(اصلی خط میرے پاس اس وقت موجود نہیں یہ اس کا خلاصہ ہے)۔

آپ خود اندازہ لگا لیں کہ اس وقت میری کیا حالت تھی؟ خیر مَیں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور الحمد للہ پڑھنے کے بعد پرنسپل صاحب سے عرض کی کہ مجھے تو بہت پریشانی تھی۔ مَیں تو دن رات کمپارٹمنٹ کے لئے ہی دعائیں کر رہا تھا کہ کس طرح سارے مضامین کا امتحان دوں گا۔ اور اب خدا تعالیٰ نے اتنا فضل فرمایا ہے کہ مَیں سارے مضامین میں پاس ہوں۔

اس پر آپ نے فرمایا کہ تم نے قرآن شریف میں حضرت مریم کا واقعہ پڑھا ہے انہیں بھی بہت پریشانی اور فکر تھی، پھر خدا نے ان کے قدموں میں ہی پانی کا چشمہ نکال دیا اور کھجوریں بھی تازہ بتازہ دے دیں۔ مَیں نے الحمد للہ کہا۔ مَیں نے خط لے لیا۔ اور محترم پرنسپل صاحب کے لئے بھی دعائیں کیں، کچھ دنوں بعد مَیں نے عرض کی کہ میر صاحب مجھے کچھ تو بتائیں کہ ہوا کیا تھا؟

فرمانے لگے کہ جب تمہاری کلاس کا رزلٹ آیا تو مَیں نے اپنے میز پر سامنے رکھ لیا اور وکالت تعلیم کو اطلاع دے دی کہ یہ رزلٹ ٹھیک ہے، اس کے مطابق اعلان کیا جا رہا ہے۔ لیکن جب اعلان ہو گیا تو کچھ دنوں کے بعد جبکہ رزلٹ ابھی میز پر سامنے ہی تھا میری نظر تمہارے نمبروں پر پڑی، تم سب مضامین میں پاس تھے،

لیکن ٹوٹل میں غالباً ایک دو نمبروں کی وجہ سے کمی تھی۔ اور یہی وجہ تمہارے فیل ہونے کی تھی۔ ادھر وکالت تعلیم کی طرف سے پرنسپل کو اختیار ہوتا ہے کہ جس طالبعلم کو چاہیں کچھ نمبر دے کر اگر وہ پاس ہوسکتا ہو تو پاس کر دیں۔ رزلٹ کے اعلان کے وقت چونکہ میری نظر تمہارے نمبروں پر نہ پڑی تھی۔ بعد میں دیکھا کہ ایک دو نمبروں کی وجہ سے تمہیں فیل ہونا پڑا ہے جس کی وجہ سے مَیں نے وکالت تعلیم میں بار بار رابطہ کیا کہ یہ طالب علم پاس ہوسکتا ہے، مَیں اس کو گریس مارکس دیتا ہوں۔ مگر وکیل التعلیم صاحب نہ مانے کہ رزلٹ آپ نے دیکھا، آپ نے منظور کر کے ہی ہمیں بھجوایا ہے، اس لئے اب آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ میر صاحب نے مزید فرمایا لیکن مجھے شدید قلق تھا کہ میری تھوڑی سی غفلت کے نتیجہ میں ایک طالبعلم کو یہ تکلیف برداشت کرنا پڑ رہی ہے۔ چنانچہ اُس دن جب تمہیں مَیں نے دفتر بلا کر خط دیا تھا، اس وقت مَیں نے وکالت تعلیم سے درخواست کی تھی کہ اس میں طالبعلم کا قصور نہیں ہے اگر سزا دینی ہے تو مجھے دیں نہ کہ طالبعلم کو۔! اس پر انہوں نے مجھے کہا کہ اچھا پھر آپ کیا چاہیں گے؟ مَیں نے کہا کہ مَیں اس طالبعلم کو پاس کرنا چاہتا ہوں۔ تو انہوں نے اجازت دے دی۔ اور پھر تمہیں پاس ہونے کی اطلاع کی۔

اس واقعہ سے محترم پرنسپل صاحب کی طالبعلم کے ساتھ شفقت اور اس کی تکلیف اور پریشانی سے بچانے کے لئے آپ کی کوشش اور پھر یہی نہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر سزا دینی ہے تو مجھے دیں نہ کہ طالبعلم کو۔ اس میں سب کچھ عیاں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو احسن جزا دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

۞...... 1973ء کے شروع ہی کا واقعہ ہے کہ جامعہ میں سالانہ کھیلیں مارچ کے مہینے میں ہوا کرتی تھیں اور یہ جامعہ کا بہت بڑا فنکشن ہوتا تھا۔ ان کھیلوں میں ایک کھیل روک دوڑ ہوتی تھی اور اس کے علاوہ کچھ اور کھیلیں بھی۔ درجہ سادسہ کے طلباء کو سب میں حصہ لینا پڑتا تھا۔ ایک کھیل pillow fighting تکیہ جنگ بھی محترم میر صاحب نے رکھی، دو طلباء آمنے سامنے دوسرے کی گردن پر سوار ہو کر جنگ کرتے تھے، خیر جس دوست کے کندھوں پر خاکسار سوار ہوا۔ تو انہوں نے جیتنے کے بعد از راہ مذاق خاکسار کو نیچے گرا دیا جس سے خاکسار کو کولہوں کے درمیان، پسلیوں میں، شدید درد ہو گیا۔ خاکسار کو سخت تکلیف ہوئی۔ محترم میر داؤد احمد صاحب نے میری جو یہ تکلیف دیکھی تو آپ کو بہت رنج اور صدمہ ہوا۔

فوراً ایک جیپ میں ڈال کر خاکسار کو فضل عمر ہسپتال پہنچایا گیا جہاں ایکسرے اور علاج شروع ہو گیا۔ نیچے گرنے کی وجہ سے خاکسار کے مسلز پھٹ گئے تھے جس کی وجہ سے شدید درد تھا۔ فنکشن کے ختم ہونے پر محترم میر داؤد صاحب خود بیمار ہو گئے اور اتنے بیمار ہوئے کہ آپ کو راولپنڈی میں ہسپتال لے جایا گیا اور آپ وہاں زیر علاج ہو گئے۔ میری طبیعت کچھ سنبھلی تو ارادہ کیا کہ مَیں پنڈی جاؤں اور آپ کی مزاج پُرسی اور تیمارداری کروں۔ مَیں نے (آپ کے چھوٹے بھائی) محترم سید میر محمود احمد ناصر صاحب سے درخواست کی کہ جب وہ آپ کا پتہ کرنے جارہے ہوں تو خاکسار بھی ساتھ جائے گا۔ چنانچہ مَیں اُن کے ساتھ پنڈی گیا، جب مَیں کمرہ میں داخل ہوا ہوں تو مجھے دیکھتے ہی فوراً پوچھا شمشاد تم کیسے ہو؟ تمہارا کیا حال ہے؟ مجھے تو یہاں بھی تمہارا فکر لگا ہوا تھا اور تمہارے لئے دعائیں کر رہا تھا۔ الحمدللہ تم خیریت سے ہو۔

کیا اتنی محبت اور اتنی شفقت کوئی اور کسی کے لئے کر سکتا ہے؟ آپ اپنی بیماری بھولے ہوئے تھے۔ اور ایک ادنیٰ سے طالبعلم کے درد کو اتنا محسوس کیا کہ اس کے لئے دعائیں کر رہے ہیں، اس کی خیریت کی فکر میں ہیں۔

پھر آپ کی بیماری بڑھتی گئی، علاج جاری رہا۔ اور ایک دن آپ پنڈی سے واپس گھر بھی پہنچ گئے مگر صحت جواب دیتی جارہی تھی۔ کچھ طالب علموں کی، جن میں مکرم محمد زکریا خان صاحب اور خاکسار شامل تھے، ڈیوٹی محترم میر داؤد صاحب کے گھر لگی تاکہ کسی چیز کی ضرورت پڑے تو فوری مہیا کی جاسکے۔ ویسے بھی یہ ہماری خوش بختی تھی کہ ہمیں یہ سعادت ملی، کام وغیرہ تو کچھ نہ تھا۔ لیکن آپ کے گھر رہنے کا موقع ملا۔ ایک دن نماز عشاء کے بعد خاکسار ڈیوٹی کے بعد جب گھر گیا تو یہ ہولناک دل کو ہلا دینے والی خبر ملی کہ آپ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے ہیں اور خدا تعالیٰ کی تقدیر غالب آ گئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

یہ خبر کچھ ایسی تھی کہ دل ماننے کو بالکل تیار نہ تھے۔ بظاہر ہم دیکھ بھی رہے تھے کہ آپ بیمار ہیں، اور کمزور سے کمزور ہوتے جارہے ہیں مگر سب ہی خدا تعالیٰ سے دعائیں کر رہے تھے کہ مولیٰ کریم شافی خدا آپ کو کامل شفا دے اس لئے مایوسی کی کوئی بات نہ تھی۔ اور یہ خیال دل میں نہیں تھا کہ آپ اس قدر جلد ہم سے جدا ہو کر اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو جائیں گے۔

صبح کو محترم میر داؤد صاحب کے گھر پہنچا، طلباء کی حالت تو غیر تھی مگر خاندان حضرت اقدس کا صبر، بہت ہی صبر جمیل دیکھنے میں آیا۔ اس کے بعد بس تجہیز و تکفین کا بندوبست ہونے لگا۔ طلباء بھی باقی لوگوں کی طرح اب آپ کی میت کو کمرے میں دیکھنے جاتے، اور آنکھوں کو آنسوؤں سے تر کرتے۔ چنانچہ شام کو عصر کے وقت آپ کا جنازہ تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور پھر بہشتی مقبرہ میں اندر والے حصہ میں آپ کی تدفین ہوئی۔ ہمیں بھی اس وقت یہ سعادت ملی کہ ہم حضورؒ کے ساتھ کھڑے تھے اور محترم میر صاحب کی لحد میں مٹی ڈال رہے تھے۔ بس جب حضورؒ نے دعا کرائی، طلباء کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور طلباء اس قدر روئے کہ مَیں اپنے الفاظ میں یہ بیان بھی نہیں کر سکتا۔ خود میری حالت بھی بہت غیر تھی، وہاں پر جو بزرگ احباب اور خاندان حضرت اقدس کے لوگ موجود تھے ہمیں دلاسے بھی دے رہے تھے۔ مگر آنسو تھے کہ اُمڈتے ہی چلے جارہے تھے۔ الفضل نے اس اندوہناک واقعہ کی خبر دیتے ہوئے لکھا کہ:

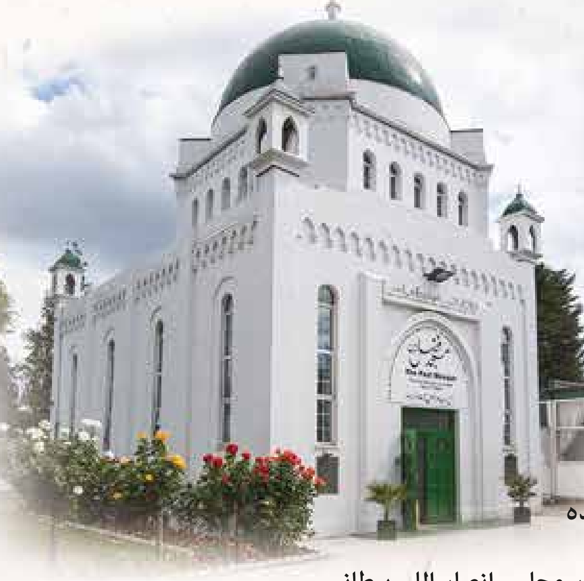
''یوں تو سبھی قلوب غم واندوہ سے لبریز تھے لیکن بالخصوص جامعہ احمدیہ کے طلباء واساتذہ پر رقت وسوز کی جو کیفیت طاری تھی الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی''۔

(الفضل 27 اپریل 1973ء)

ہم روزانہ بہشتی مقبرہ جاتے اور آپ کے مزار پر دعا کرتے۔

یہ 25/اپریل 1973ء کی بات تھی۔ اور ہماری کلاس آپ کی آخری کلاس تھی۔ ہم نے 3،4 دن بعد جامعہ احمدیہ سے فارغ ہو کر میدان عمل میں جانا تھا۔ اس دوران حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب کو جو مفتی سلسلہ بھی تھے جامعہ کا پرنسپل مقرر کر دیا۔ چنانچہ دو تین دن بعد پرنسپل صاحب کے دفتر میں ہمیں الوداعیہ دیا گیا۔ محترم ملک سیف الرحمان صاحب نے فرمایا، کتنا اچھا ہوتا اگر آج خود میر داؤد صاحب آپ کی کلاس کو یہ الوداعیہ دیتے۔ بہرحال خدا تعالیٰ کی تقدیر پر سب راضی تھے۔ لیکن دلوں میں جو آپ کی محبت تھی اور آپ

باقی صفحہ 10 پر ملاحظہ فرمائیں



مجلس عاملہ
انصار اللہ برطانیہ 2019

نمبر شمار	نام	عہدہ
1.	مکرم ڈاکٹر چوہدری اعجاز الرحمن صاحب	صدر مجلس انصار اللہ برطانیہ
2.	مکرم امام عطا المجیب راشدصاحب	رکن خصوصی
3.	مکرم سر ڈاکٹر افتخار ایاز صاحب	رکن خصوصی
4.	مکرم چوہدری وسیم احمد صاحب	رکن خصوصی
5.	مکرم منصور احمد ساقی صاحب	نائب صدر اوّل
6.	مکرم فہیم انور صاحب	نائب صدر صف دوئم
7.	مکرم خالد محمود صاحب	نائب صدر
8.	مکرم ر فیع احمد بھٹی صاحب	نائب صدر
9.	مکرم سید امتیاز احمد صاحب	نائب صدر
10.	مکرم محمد محمود خان صاحب	قائد عمومی
11.	مکرم نوید الظفر صاحب	ایڈیشنل قائد عمومی
12.	مکرم فضل الرحمٰن ناصر صاحب	قائد تربیت
13.	مکرم ڈاکٹر حامد اللہ صاحب	ایڈیشنل قائد تربیت
14.	مکرم شکیل احمد بٹ صاحب	قائد تبلیغ
15.	مکرم شیخ رفیق طاہر صاحب	ایڈیشنل قائدتبلیغ
16.	مکرم اظہر اقبال صاحب	ایڈیشنل قائدتبلیغ
17.	مکرم احمد نصیر الدین صاحب	قائد تعلیم
18.	مکرم فضل احمد طاہر صاحب	قائد تعلیم القرآن
19.	مکرم عبدالمنان اظہر صاحب	قائد مال
20.	مکرم منصور قمر صاحب	ایڈیشنل قائد مال
21.	مکرم محمد انور صاحب	قائد تجنید
22.	مکرم رانا عبد الطیف صاحب	قائدتحریک جدید
23.	مکرم مظفر احمد بھٹی صاحب	قائد وقف جدید
24.	مکرم اشفاق احمدخان صاحب	قائد ایثار
25.	مکرم مظفر حسین صاحب	ایڈیشنل قائدایثار
26.	مکرم عامر انیس صاحب	قائد ذہانت و صحت جسمانی
27.	مکرم شہباز احمد صاحب	قائد نو مبائعین
28.	مکرم ضیاءالرحمٰن صاحب	قائد اشاعت
29.	مکرم محمداسحاق ناصر صاحب	ایڈیشنل قائداشاعت
30.	مکرم محمود احمد صاحب	(زعیم اعلیٰ مقامی(فضل ریجن
31.	مکرم کلیم انجم صاحب	معاون صدر
32.	مکرم محمد وسیم ذاہد صاحب	معاون صدر
33.	مکرم مبارک چیمہ صاحب	معاون صدر
34.	مکرم شاہد مسعود صاحب	معاون صدر
35.	مکرم میاں منصور منان صاحب	آڈیٹر









مجلس انصاراللہ برطانیہ کی طرف سے ایک ملین پاؤنڈ سے زائد رقوم کے چیک مختلف رفاہی اداروں میں تقسیم کئے گئے

(رپورٹ: فرخ سلطان محمود)

مؤرخہ 7؍دسمبر 2018ء بروز جمعۃ المبارک کی شام مسجد بیت الفتوح مورڈن (لندن) سے متّصل طاہر ہال میں ایک پُروقار تقریب کا انعقاد ہوا جس میں بڑی تعداد میں غیراز جماعت مہمانوں نے بھی شرکت کی اور جماعت احمدیہ کی طرف سے خدمت خلق کے حوالہ سے کی جانے والی کاوشوں کو سراہا۔ اس تقریب کا مقصد دنیا کے مختلف علاقوں میں بنی نوع انسان کی خدمت میں سرگرم عمل ایسے رفاہی اور خیراتی اداروں میں رقوم کے چیک تقسیم کرنا تھا جن کے نمائندگان اس تقریب میں موجود تھے۔ چیرٹی کے لئے اکٹھی کی جانے والی یہ رقم چیرٹی واک فار پِیس (Charity Walk for Peace) کے پروگرام کے تحت اکٹھی کی گئی تھی۔ گزشتہ چند سال سے یہ تقریب برطانیہ کے پارلیمنٹ ہاؤس اور ہاؤس آف لارڈز میں منعقد کی جارہی تھی تاہم امسال اس کے انعقاد کے لئے طاہر ہال مسجد بیت الفتوح لندن کا انتخاب کیا گیا۔

یہ خوبصورت تقریب قریباً ساڑھے سات بجے شام مکرم سیّد منصور احمد شاہ صاحب قائمقام امیر جماعت احمدیہ برطانیہ کی زیرصدارت تلاوت قرآن کریم سے شروع ہوئی جو مکرم مولانا نسیم احمد باجوہ صاحب مربی سلسلہ (امام مسجد بیت الفتوح مورڈن) نے کی۔ آیات کریمہ کا انگریزی ترجمہ گھانا سے تعلق رکھنے والے مکرم احمد کوناڈو (Ahmad Konado) صاحب آف گلاسگو نے پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد مکرم ڈاکٹر چودھری اعجاز الرحمٰن صاحب صدر مجلس انصاراللہ برطانیہ نے مہمانوں کو خوش آمدید کہا اور اختصار سے بتایا کہ چیرٹی واک فار پِیس کا آغاز جماعت احمدیہ کے چوتھے خلیفہ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات پر 1985ء میں ہوا تھا اور پہلے سال کُل تین صد کے قریب شرکاء شامل ہوئے تھے جبکہ صرف ڈیڑھ ہزار پاؤنڈ کی رقم اکٹھی کرکے چیریٹیز کو پیش کی گئی تھی۔ اب سیّدنا امیرالمومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہدایت اور راہنمائی میں یہ واک اپنی بہت سی منفرد خصوصیات کے ساتھ ہر سال پہلے سے بڑھ کر کامیابی سے ہمکنار ہوتی چلی آرہی ہے۔ واک میں شرکت کرنے والے افراد کی تعداد اور اکٹھی کی جانے والی چیرٹی کی رقم کی مقدار کے حوالہ سے ہر سال اضافہ دیکھنے میں آرہا ہے۔ چنانچہ امسال ساڑھے چار ہزار سے زائد افراد اس چیرٹی واک فار پِیس (Charity Walk for Peace) میں شامل ہوئے جبکہ ایک ملین پاؤنڈ سے زائد رقم اکٹھی کرکے ڈیڑھ صد سے زائد چیریٹیز میں تقسیم کی جارہی ہے جبکہ گزشتہ سال چھ لاکھ پچاسی ہزار (685000) پاؤنڈ کی رقم چیریٹیز میں تقسیم کی گئی تھی۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ چیرٹی کے نام پر جمع کی جانے والی رقم میں سے کوئی حصّہ انتظامات کے نام پر منہا نہیں کیا جاتا بلکہ ساری کی ساری رقم خیراتی اور فلاحی اداروں میں تقسیم کردی جاتی ہے جبکہ انتظامات مکمل طور پر مجلس انصاراللہ برطانیہ کے خصوصی فنڈ سے کئے جاتے ہیں۔

مکرم رفیع احمد بھٹی صاحب اور مکرم فرید احمد صاحب نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیئے۔ پروگرام کے مطابق مکرم ظہیر احمد صاحب صدر چیرٹی واک فار پیس (Charity Walk for Peace) نے امسال 29/ اپریل 2018ء بروز اتوار Runnymede کونسل کے Windsor Great Park میں منعقد ہونے والی واک کی مختصر رپورٹ پیش کی۔ انہوں نے بتایا کہ امسال بھی مقامی چھوٹی چیرٹیز کے ساتھ Match Funding Scheme کے تحت کام کیا گیا چنانچہ اُن چیرٹیز نے ہمارے لیفلیٹس اور کولیکشن فارمز پر چیرٹی واک کے لئے اپنے رابطوں کے ذریعہ رقم اکٹھی کی اور اپنی ویب سائیٹس، سوشل میڈیا اور نیوز لیٹرز کے ذریعہ اس پروگرام کو مشتہر بھی کیا۔ امسال 160 سے زائد مقامی خیراتی اداروں نے چیرٹی واک میں شمولیت کی تھی اور بعض نے اپنے سٹالز بھی لگائے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مقامی آبادی کے قریباً 2000 غیر مسلم سپورٹرز ہمارے ساتھ چیرٹی واک میں شامل ہوئے۔ یہ تعداد پچھلے سال سے دوگنی تھی۔ ہر سال منعقد کی جانے والی اس چیرٹی واک کی کامیابی کے لئے کئی ماہ کی محنت اور افرادی قوت شامل ہے۔ اسی طرح اس چیرٹی واک کے تمام اخراجات بھی مجلس انصاراللہ برطانیہ خود برداشت کرتی ہے جبکہ واک سے اکٹھی کی جانے والی تمام تر رقم چیرٹیز میں تقسیم کی جاتی ہے۔

گزشتہ برسوں کی طرح امسال بھی چیرٹی واک فار پیس میں متعدد اہم افراد بھی شامل ہوئے۔ چنانچہ افتتاحی تقریب میں مجموعی طور پر نو (9) مہمانانِ خصوصی نے خطاب کیا۔ اس سال مجموعی طور پر شرکاء ساڑھے چار ہزار (4500) سے زائد تھے جن میں قریباً دو ہزار مقامی افراد شامل تھے۔ مقامی لوگوں میں سکولوں کے بچے اور ان کے اساتذہ، فوج کے نمائندگان، سکاؤٹس اور ڈیڑھ صد سے زائد رفاہی خیراتی اداروں کے نمائندگان اور اُن اداروں کے سپورٹرز شامل ہوئے۔ اگرچہ اُس روز موسم شدید سرد تھا اور یخ بستہ ہوا بھی چل رہی تھی اس کے باوجود ایک بڑی تعداد نے واک پوری کی۔ واک کے مہمان شرکاء نے جماعت کی امن اور انسانی خدمت کی کوششوں کو بھرپور انداز میں سراہا۔

اس چیرٹی واک کی رپورٹس کو مختلف میڈیا چینلز نے اپنی نشریات میں پیش کیا جن میں ''جیوٹی وی''، ''سٹی 44 ٹی وی'' اور ''دنیا ٹی وی'' بھی شامل ہیں۔ اسی طرح سوشل میڈیا خصوصاً Twitter پر چیرٹی واک اُس روز کے Top 20 Trends میں شامل تھی۔ اسی طرح Facebook اور Internet پر بھی ہزاروں Views ہوئے۔ چنانچہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسلام احمدیت کا پیغام دنیا کے مختلف ممالک میں بھی ہزاروں لوگوں تک پہنچا۔ الحمدللہ

جو معزز مہمان اس چیرٹی واک فار پیس (Charity Walk for Peace) میں شامل ہوئے ان میں چار باروز (Boroughs) کے میئر صاحبان بھی شامل تھے یعنی Epsom & Ewel, Runnymede, Kingston اور Waverley کے میئرز۔ نیز ڈپٹی لارڈ لیفٹیننٹ، Welsh Guards کے باوردی سپاہی اور چار صد سے زائد سکاؤٹس بھی شامل ہوئے۔ مہمانوں میں درج ذیل معززین بھی شامل تھے:



= Cllr. Iftikhar Chaudhri, the Mayor of Runnymede
= Mr. Paul Turrell, CEO Runnymede Borough Council
= The Right Honourable Sir Ed Davey, MP
= Mr. Nick Wood, Deputy Lord Lieutenant of Surrey
= Mr. Surinder Arora, CEO Arora Group
= Mr. Nick Prescott, Leader of Runnymede Borough Council
= Mr. Graham Barker, High Sheriff for the Royal County of Berkshire

امسال (2018ء میں) منعقد ہونے والی چیرٹی واک کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ لوکل کونسل Runnymede نے بھرپور تعاون کرتے ہوئے اس فلاحی پروگرام کی پرموشن کے لئے اپنی آفیشل ویب سائٹ پر کئی ماہ قبل ہی اشتہارات دینے کا عمل شروع کر دیا تھا جس کی وجہ سے اس کی غیر معمولی تشہیر ہو چکی تھی اور مقامی لوگوں میں اس حوالہ سے جوش و خروش پیدا ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ لوکل کونسل کی طرف سے ریلوے اسٹیشنز اور کار پارکنگ کے مختلف مقامات سے تمام شاملینِ واک کے لئے مفت Pick & Drop Service مہیا کی گئی۔



یہ بات بھی اہم ہے کہ مجلس انصار اللہ برطانیہ کے تحت امسال ہونے والی چیرٹی واک کی پرموشن کے لئے مختلف ریجنز میں مجموعی طور پر گیارہ پری چیرٹی ڈنرز (Pre-charity dinner) منعقد کئے گئے جن میں لوکل آبادی کے علاوہ متعلقہ اراکین پارلیمنٹ، میئرز اور کونسلرز نے شرکت کی۔ اسی طرح واک کی آگاہی کے لئے ایک لیفلٹ بھی پچاس ہزار کی تعداد میں پرنٹ کروایا گیا اور مقامی آبادی میں خصوصیت سے انصار کی ٹیموں نے تقسیم کیا۔ امسال رجسٹریشن میں لوکل سکاؤٹس نے رجسٹریشن ٹیم کی بھی مدد کی۔ چیرٹی واک میں شامل ہونے والی بہت سی چیرٹیز نے واک میں شمولیت کے بعد اپنے فلاحی اداروں اور کونسلوں کی آفیشل ویب سائٹس پر چیرٹی واک کے مقاصد کو Promote کیا اور اس طرح جماعت احمدیہ کا امن کا پیغام کئی ملین افراد تک پہنچا۔



7 دسمبر کو منعقد ہونے والی تقریب کے لئے طاہر ہال کو بہت خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ چاروں طرف ''چیرٹی واک'' اور ''پوپی اپیل'' کے حوالہ سے پوسٹرز آویزاں تھے۔ تیس میزوں کے گرد پانچ صد افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ ہال کی دیواروں پر تین پروجیکٹرز کے ذریعہ کارروائی کو نمایاں طور پر دکھانے کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔ ابتدائی ریفریشمنٹس کے وسیع انتظامات کے بعد چیرٹیز، مہمانوں اور دیگر معززین کی رجسٹریشن کے لئے تین ڈیسک رکھے گئے تھے جن پر کئی کارکنان مصروف عمل تھے۔ مہمانوں کا پُرتپاک انداز میں استقبال کیا جارہا تھا۔ اس کے بعد چیرٹیز کے نمائندگان کے لئے مزید تین ڈیسک کام کر رہے تھے۔ ہر نمائندہ کی آمد کے بعد اُن کی چیرٹی کو پیش کی جانے والی رقم کا چیک اور ایک گفٹ پیک تیار کیا جاتا اور طاہر ہال میں ہی خاص طور پر تیار کئے جانے والے ارینا میں نمائندگان کو مجلس انصار اللہ برطانیہ کی طرف سے باقاعدہ چیک اور تحفہ پیش کیا جاتا اور اُن کے تأثرات ریکارڈ کئے جاتے۔

مہمانوں کے لئے بیت الفتوح کمپلیکس میں موجود یورپ کی سب سے بڑی مسجد (جس میں ایک ہی وقت میں دس ہزار سے زیادہ نمازی سما سکتے ہیں) کے تمام حصوں کو دکھانے کا بھی انتظام تھا۔ مہمانوں نے بہت پُرجوش انداز میں اس سہولت سے فائدہ اٹھایا اور خاص طور پر پردہ کا لحاظ رکھتے ہوئے خواتین کے نماز باجماعت اور دیگر عبادات میں شمولیت پر حیرت اور اطمینان کا اظہار کیا۔

ریفریشمنٹس اور رجسٹریشن کے فارغ ہونے کے بعد مہمانوں کی رہنمائی کے لئے تین مزید ڈیسک موجود تھے۔ اُن میں سے پہلا مسجد دیکھنے کے خواہشمند مہمانوں کو مختلف گروپس میں تقسیم کر کے گائیڈ کے ہمراہ بھجوانے کے لئے تھا۔ دوسرا ڈیسک میڈیا (چینلز اور مختلف چیرٹی اداروں سے رپورٹنگ کے لئے آنے والے) متعلقہ افراد اور اداروں سے متعلق کارروائی کر رہا تھا اور مہمانوں کے تأثرات کو محفوظ کرنے کے سلسلہ میں بھی مصروف تھا۔ جبکہ تیسرا ڈیسک اس موقع پر کئے جانے والے تمام انتظامات کی عمومی نگرانی کرتے ہوئے اور مختلف امور میں حسب ضرورت فوری مدد اور تعاون مہیا کرنے کے لئے تھا۔ اسی طرح ایک ڈیسک Poppy Exhibition کے لئے بھی مختص تھا۔ نیز ایک سٹال مجلس انصار اللہ کا شعبہ دعوت الی اللہ بھی تھا جس میں دلچسپی لینے والے احباب عموماً جماعت احمدیہ سے اس کی رفاہی خدمات کے حوالہ سے تعارف رکھتے تھے اور اُن دلچسپی لینے والوں کو جماعت احمدیہ کے بارہ میں مزید معلومات مہیا کرنے کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی سے متعلق حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی کتاب کا انگریزی ترجمہ تحفۃً پیش کیا جاتا تھا۔

طاہر ہال میں جنگ عظیم اوّل کے حوالہ سے ایک نہایت دلچسپ نمائش بھی لگائی گئی تھی۔ یہ نمائش مکرم ڈاکٹر عرفان ملک صاحب آف دوالمیال (پاکستان) کی انفرادی طور پر کی جانے والی نہایت کامیاب کاوش تھی۔ پہلے برطانوی فوج میں اور اب پاکستان کی فوج میں دوالمیال کے جوانوں اور افسران کی موجودگی اور اُن کی جرأت مندانہ کارکردگی ہمیشہ ہی سراہی جاتی رہی ہے چنانچہ جنگ عظیم اوّل میں بھی





اس گاؤں کی جنگ کے دوران غیر معمولی خدمات کے اعتراف میں ایک صدی قبل (1918ء میں) برصغیر کے برٹش حکمرانوں نے اس گاؤں کو ایک توپ تحفۃً عطا کی تھی جو گاؤں کے مرکزی چوک میں آج بھی نصب ہے۔

مذکورہ نمائش میں جنگ عظیم اوّل میں برسرِ پیکار سپاہیوں کے زیر استعمال رہنے والے بعض ہتھیار اور اوزار شامل تھے نیز فوجیوں کے زیر استعمال آنے والی مختلف ذاتی استعمال کی اشیاء بھی ترتیب سے رکھی گئی تھیں۔ بہت سے لوگوں نے اس نمائش میں موجود آلاتِ حرب کو چھو کر، اٹھا کر اور اس کی ٹیکنالوجی سے تعارف حاصل کر کے بھرپور لطف اٹھایا۔ بعض نے، گرینیڈ، تلواروں یا مختلف چھوٹی بڑی Guns (جن میں جنگ عظیم اوّل میں استعمال ہونے والی تھری ناٹ تھری بھی شامل تھی) اپنے ہاتھ میں پکڑ کر تصاویر بنوائیں۔ اس ڈیسک کے ساتھ جنگ عظیم اوّل کے زمانہ کی بہت سی تصاویر بھی آویزاں تھیں جن میں سے بعض کا تعلق خصوصیت سے دوالمیال سے تھا۔

پروگرام کے باقاعدہ آغاز سے قبل ایک صد سے زائد چیریٹیز کے نمائندگان کو چیک پیش کئے جا چکے تھے۔ چند چیریٹیز کی طرف سے کوئی نمائندہ حاضر نہیں ہو سکا۔ جبکہ باقی چیریٹیز کو پروگرام کے دوران مختلف اوقات میں پوڈیم پر بلا کر چیک پیش کئے جاتے رہے۔ امسال کُل 157 رفاہی خیراتی اداروں میں ایک ملین پاؤنڈ سے زائد رقم کے چیک تقسیم کئے گئے۔ اس طرح 1998ء سے اب تک مجلس انصاراللہ برطانیہ کی طرف سے چیریٹی کے لئے تقسیم کی جانے والی کُل رقم 5.2 ملین پاؤنڈ سے زائد ہو چکی ہے۔

پروگرام میں تشریف لانے والے مہمانوں میں 4 اراکین پارلیمنٹ اور 12 میئرز بھی شامل تھے جبکہ متعدد سابق میئرز، ڈپٹی میئرز اور کونسلرز تقریب میں شامل ہوئے۔ مہمانوں کی تعداد اڑھائی صد سے زائد تھی۔ کُل حاضرین کی تعداد ساڑھے پانچ صد سے زائد تھی جن میں ایک سو سے زائد چیریٹی چیمپئنز (Charity Champions) بھی شامل تھے۔ ''چیریٹی چیمپئن'' کا ٹائٹل ایسے مخیّر حضرات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جنہوں نے خود ایک ہزار پاؤنڈ سے زائد رقم چیریٹی کے لئے پیش کی ہے یا ایک ہزار پاؤنڈ سے زائد رقم اکٹھی کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ 2018ء میں ان چیمپئنز کی کُل تعداد 140 تھی۔ ان چیمپئنز میں سے نمایاں



افراد کو یادگاری میڈل بھی پیش کئے گئے۔ چیریٹی واک کے لئے ایک ملین پاؤنڈ سے زائد اور پوپی اپیل کے لئے نصف ملین پاؤنڈ سے زائد رقم اکٹھی کرنے کی مساعی میں نمایاں کارکردگی پیش کرنے والی مجالس اور ریجنز کے علاوہ انفرادی سطح پر بھی چند میڈلز دیئے گئے۔

تقریب کے دوران جن مہمانوں نے حاضرین سے مختصر خطاب کیا۔ ان میں درج ذیل معزز مہمان بھی شامل تھے:

- Sir Ed Davery MP
- Ms Siobhain Mcdnogh MP
- Mr Tom Brake MP
- Mr Mohammad Asghar MP, Memeber Welsh Assembly
- Commander Mark McEwan

(میٹروپولیٹن پولیس کمشنر کے نمائندہ)

قریباً دو گھنٹے تک جاری رہنے والے اس پروگرام کے اختتام پر مکرم منصور احمد شاہ صاحب نے حاضرین سے مختصر خطاب کیا اور بعد ازاں دعا کروائی۔ جس کے بعد مہمانانِ کرام خاص طور پر تیار کئے جانے والے طعام سے لطف اندوز ہوئے۔

اللہ تعالیٰ احمدیوں کی طرف سے کی جانے والی خدمتِ خلق کی اس عاجزانہ مساعی کو قبول فرماتے ہوئے اس تقریب کے بہترین، بابرکت اور دُوررَس نتائج ظاہر فرمائے۔ نیز تمام کارکنان اور بنی نوع انسان کی ہمدردی کے لئے خدمت بجالانے والوں کو جزائے خیر سے نوازے۔ آمین



